

www.novelskiduniya.com



محبوب نظر

مصنفہ: مرجان قطب

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔۔۔

السلام علیکم احباب۔۔۔۔

”ناولز کی دنیا“ کے ناولز میں خوش آمدید۔۔۔۔

ناولز کی دنیا (NKD) کی جانب سے ناولز کو بغیر کسی غلطی کے آپ تک پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ اگر کوئی غلطی اس میں ملتی ہے تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ کیونکہ ناول کو پورا پروف ریڈ کر کے ہی پبلش کیا جاتا ہے چوک ہونا محض اتفاق ہوگا۔۔۔۔

نئے اور مختلف لکھنے والوں کے لیے ”ناولز کی دنیا“ [ویب سائٹ / گروپ / پیج / یوٹیوب چینل](#) دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خدا داد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں۔۔۔۔ اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں۔۔۔۔ ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے۔۔۔۔

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔۔۔۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہو سکا آپ کی تحریر پوسٹ ہو جائے گی۔۔۔۔

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔۔۔۔

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- [Novels ki duniya](#)

(user name [@zoyatalib77](#))

Facebook group :- [Novels ki duniya](#)

Instagram Page:- [Nkd \(ZT\)](#) (UserName: [Novelskiduniya77](#))

[Youtube Channel: Novels Ki Dunya \(NKD\) Official](#)

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو) اور باقی کے رابطے کے لیے ہر پیج کے نیچے [Blue](#) الفاظ میں لکھے لفظ میں آپکو

لنکس مل جائے گے شکریہ۔۔۔۔۔

محبوب نظر

از قلم: مَر حبان قُطب

پانچویں قسط:

پریشانی اور گھبراہٹ سے اندر آتے بابا کو دیکھ کر وہ جو سُبکتگین کے جانے کے بعد دو گھنٹے سے وہیں بیٹھی تھی، چونک کر اُنکو دیکھنے لگی جو تیزی سے اُسکی جانب بڑھے تھے۔

"سُبکتگین کہاں ہے؟" اُنکا انداز کہیں سے بھی نارمل نہیں تھا۔

"کیا ہوا بابا؟" اُنکے کانپتے، سرد ہاتھوں کا تھام کر اپنے برابر بٹھاتے ہوئے پریشانی سے اُنہیں دیکھا جو زرد ہوئے جا رہے تھے۔

"سُبکتگین کہاں ہے؟" اُنکی سوئی جیسے ایک ہی جملے پر اٹک گئی تھی۔

"ابھی گئے ہیں۔ میں نے بینڈج کر دی تھی، بابا۔" وہ سمجھ گئی کہ کہیں سے سُن چکے ہوں گے تبھی تسلی سے اُنکا ہاتھ سہلایا۔ چونک کر احمد حسن نے اُسکے چہرے کو دیکھا جہاں ماتھے پر سُرخ نشان جبکہ

زخمی گال پر بینڈج لگی تھی۔ آنسوؤں کے مٹے نشانات اُسکے چہرے پر اب بھی نمایاں تھے۔ یقیناً سُبکدگین کے یہاں سے جانے کے بعد روتی رہی ہو گی کیونکہ گل لیلیٰ کبھی کسی کے سامنے نہیں روتی، اپنے والدین کے سامنے تک نہیں۔

"تم۔۔۔ ٹھیک ہو بیٹا؟" اُسکے دونوں ہاتھ انہوں نے خوف کے ساتھ مضبوطی سے یوں جھکڑ لیے جیسے اُسکو کہیں نہیں جانے دیں گے۔

"میں ٹھیک ہوں، بابا۔ آپ تسلی رکھیں۔" نرم تسلی پر انہوں نے گہرا سانس لیا اور اُسکی جانب توجہ سے متوجہ ہوئے۔

"کہاں چلا گیا، سُبکدگین؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ اپنے گھر یا آفس۔"

"تم۔۔۔ تمہیں کس نے اغواء کیا؟" اُنکے خدشات پر لیلیٰ نے ٹھٹک کر بغور اُنکا پھیکا پڑتا چہرہ دیکھا۔ بات یقیناً کچھ اور تھی۔

"اغوا نہیں بابا۔ بس وہ آدمی مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔" اُسکے بے پرواہ انداز پر احمد صاحب سنبھل کر بیٹھے۔

"کیا پوچھنا چاہتا تھا اور بات پوچھنے کا یہ کونسا طریقہ ہوتا ہے؟" اعصاب جگہ پر آنے لگے تھے۔

"پہلے اُس آدمی نے بوتیک آکر پوچھ تھا مجھ سے مگر اُسکی بکواسیات پر میں نے اُسے چلتا کر دیا۔" نظریں پھیر کر بات بتائی گئی۔

"کیا پوچھنا تھا؟" اُنکے رونگھٹے کھڑے ہونے لگے۔ کہیں وہ لوگ اُنکو ڈھونڈ کر یہاں تک تو نہیں پہنچ گئے؟ کہیں اُنہیں دیر تو نہیں ہو گئی؟؟

"سُبک۔۔۔ سُبکتگین کے بارے میں۔ شاید اُنکی جان پہچان کا کوئی آدمی تھا۔" سسکی اگلی جھجھکتی اطلاع اُنکے لیے کسی دھماکے سے کم نہیں تھی۔

"سُبکتگین کا؟ ل۔۔۔ لیکن تم سے کیوں؟" کانوں میں پھر سے خبریں گونجنے لگیں۔ وہ ہتک آمیز باتیں اور تقریریں۔

"اُس آدمی کو کوئی غلط فہمی تھی شاید۔" آگے ہو کر ٹیبل سے پانی کا جگ اٹھا کر پانی کا گلاس بھرتے ہوئے اُس نے لہجہ سرسری رکھا۔

"کیسی غلط فہمی؟" آج تو احمد حسن بھی بال کی کھال نکالنے بیٹھ گئے تھے۔ ایک طرف کی پریشانی ختم ہوئی تھی تو سُبکتگین کی جانب سے لاگو ہونے لگی۔

"مجھے کیا معلوم، بابا۔ میں نے بس بتا دیا کہ میری حمزہ سے منگنی ہوئی ہے۔" اُسکے پہلو تہی پر احمد حسن ہک دق رہ گئے۔ اُنکو اس بات کی اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی۔

"اُنکو یہ غلط فہمی کیونکر ہوئی؟" اُنکی کم علمی پر لیلیٰ نے اُنکو دیکھ کر پانی کا گلاس اُنکی جانب بڑھایا۔

"ہر دوسرے دن تو آپ بھاگے بھاگے اُسکے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ اُسکو گھر میں ناں، ناں کے باجود گھسیٹ لاتے ہیں۔" وہ تو جیسے اکتانے لگی۔ اعصاب ابھی تک جگہ پر نہیں آئے تھے۔

"پھر ایک، دو بار میری بوتیک بھی آئے تھے۔" وہ اپنے باپ سے کوئی بات مُتقی نہیں رہ سکتی تھی۔

"سُبکدگین کا۔۔ وہاں کیا کام؟" اُنکو جیسے واقعی سمجھ نہیں آئی۔ جتنا وہ حمزہ اور ثار حیدر سے اُسکی پھولوں سے چڑ کو سُن چکے تھے، اُنکا تعجب بنتا تھا۔ ثار حیدر نے دعوت کے موقع پر سُبکدگین کے دیئے گئے لیونڈرز پر حیرانگی میں اُنہیں بعد میں سب بتایا تھا۔

"پھول کی دکان پر کیوں آتے ہیں لوگ؟" باپ کے متفکر چہرے کو دیکھ کر اُس نے میٹھا سا مسکرا کے طنز کرنا ضروری سمجھا۔ احمد صاحب نے اُسکے چہرے کو دیکھا اور پھر جیسے ناچاہتے ہوئے بھی ہنس دیئے۔ اس واقعے نے اُنکی سوچ کو نیا رخ دے دیا تھا۔ آج کے دن اُنکو بہت کچھ سوچنا اور کرنا تھا کیونکہ وہ اپنے دو محبوب رشتوں کو مشکل اور آزمائش میں نہیں ڈال سکتے تھے۔

"کیا سوچنے لگے؟" اُنکے سوچتے تاثرات چونکا دینے والے تھے۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ شادی کی تاریخ اسی مہینے کی رکھ دوں۔" وہ تو جیسے ہتھیلی پر سرسوں جمانے کے چکر میں تھے۔ ماہ پارہ نے اُنکو دعوت والے دن یہی کہا تھا مگر تب اُنکو مناسب نہیں لگا۔

"کیا ہو گیا ہے، بابا۔" اُسکی حیرانگی بہت زیادہ تھی۔

"میں نہیں چاہتا لوگ تمہارے اور سُبکدگین کے بارے میں غلط باتیں بنائیں۔ پہلے ہی میڈیا پر اُسکی اتنی کردار کشی کی جا رہی ہے۔" اُنکی وضاحت پر لیلیٰ کا دماغ بھک سے اڑا۔ وہ سب لوگ اُسکی نظروں کے سامنے گھوم گئے جو اُس وقت معاملہ سلجھانے کے بجائے سُبکدگین کی ویڈیوز ثواب دارین سمجھ کر بنا رہے تھے۔

"تم آج کے بعد زیادہ بات مت کرنا سبکتگین سے اور گھر سے باہر بالکل بھی مت ملنا۔" اُنکی اگلی ہدایت پر لیلیٰ کے چہرے نے تیزی سے رنگ بدلا۔

"بابا! ک۔۔۔ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں۔۔۔ میں کیوں ملنے لگی وہ تو اتفاق سے آتے جاتے۔۔۔" اُسکو اُنکی جانب سے ایسے کسی سختی کی اُمید نہیں تھی تبھی ہک دق رہ گئی جبکہ احمد حسن صاحب کو اُسکے ششدر تاثرات اور الفاظ پر نظریں چُرا لینی پڑیں۔

"آپ۔۔۔ اہسے کیسے کہہ سکتے ہیں، بابا؟" اُنکو نظریں چُراتے دیکھ کر اُسکے جو تکلیف ہوئی اُسکو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

"بس جو کہہ رہا ہوں اُس پر عمل کرو تم۔" لہجے مزید سخت ہوا۔

"ٹھیک ہے، آئندہ کے بعد مجھے وہ گھر بھی بھی نظر نہ آئے۔" بہت کچھ ضبط کر کے تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں تمہارے بھلے کے لیے کہہ رہا ہوں، بیٹا۔" اُسکو یوں اٹھتے دیکھ کر اُنکو تاسف گھیرنے لگا مگر لیلیٰ نے کچھ نہیں کہا۔

"آج دُنیا باتیں بنا رہی ہے کل کو حمزہ بھی بنائے گا۔ میں تمہیں یہاں تحفظ دینے لایا ہوں لوگوں کی نظروں میں رسوا کرنے کے لیے نہیں۔" اُسکو بغیر کچھ کہے جاتے دیکھ کر وہ پیچھے سے اُونچی آواز میں وضاحت کرتے رہے مگر گل لیلیٰ کا دل بہت بُری طرح ٹوٹا تھا۔ اُسے بابا سے ایسی الفاظ اور تنبیہ کی

اُمید نہیں تھی۔ پوری دُنیا ایسا کہتی مگر وہ نہیں۔ گلِ لیلیٰ کیسے اُنکا سر جھکا سکتی تھی، کیسے مان توٹ سکتی تھی؟؟؟

کمرہ کا دروازہ بند کر کے دروازے کی پشت سے ٹیک لگا کر نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ چند پل یو نہی بے یقینی اور حیرت سے بادامی آنکھیں خلا کو گھورتی رہیں اور پھر آنسو قطرہ قطرہ اُن آنکھوں سے لڑیوں کی صورت بننے لگے۔ دل میں پینتی ہمدردی، ترحم اور حزن گھٹ گھٹ کر سسکنے لگیں۔ چہرہ گھٹنوں پر رکھ کر اُس نے خود کو بہت سا رونے کی اجازت دے دی۔ کراچی آنے سے تین مہینے پہلے کے جمع کر رکھے آنسوؤں کو بہنے کا راستہ مل گیا تھا۔

✓ پتھر ہے تیرے ہاتھ میں یا کوئی پھول ہے

جب تُو قبول ہے تو تیرا سب کچھ قبول ہے

پھر تُو نے دے دیا ہے نیا فیصلہ مجھے

سر پر ابھی تو پچھلی مسافت کی دھول ہے

تُو یار ہے تو اتنی کڑی گفتگو نہ کر

تیرا اصول ہے تو میرا بھی اصول ہے

لفظوں کی آبرو کو گنواؤ نہ یوں عدیم

جو مانتا نہیں، اُسے کہنا فضول ہے۔۔۔

(عدیم ہاشمی)

چہرہ ایک جھٹکے سے اٹھا کر ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کر کے لیلیٰ تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ کس سوگ میں رو رہی ہے؟ اُسکی فطرت یوں چھوٹی موٹی باتوں پر رونے دھونے والی نہیں ہے۔ ٹھیک ہے اُسکو بابا کی بات، اُنکی سختی اور تنبیہ بُری لگی تھی مگر اِس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ بابا کے بارے میں بد دل ہو۔ پوری دُنیا غلط ہو سکتی ہے مگر اُسکے بابا، احمد حسن نہیں۔ اُنکو ناراض کرنے کا گلِ لیلیٰ سوچ بھی نہیں سکتی۔ اٹھ کر صوفے پر آئی اور پھر دوپٹا سر سے اتار کر بالوں کی چٹیا کھول کر کیچر میں باندھنے کے بعد، سائیڈ ٹیبل کی دراز سے کھانے پینے کا سارا سامان اکٹھا کر کے ٹیبل پر رکھ کر دیوار پر نصب ایل۔سی۔ڈی کو لگاتے ہوئے اُس نے چپس کا پیک کھولا اور پھر اپنے پسندیدہ کینیڈین ایکٹر کی "John Wick" سیریز کا چھیڑ 4 پورے انہماک اور یکسوئی سے دیکھنے لگی۔ کرائم، تھرلر دیکھتے ہوئے وہ ہر غم بھول جاتی تھی۔ جیسے جیسے فلم آگے بڑھتی جا رہی تھی چپس اور کولڈ ڈرنک کے خالی پیکٹ اور بوتل میں اضافہ ہونے لگا۔ یہاں میں آپ کو بتاتی جاؤں کہ گلِ لیلیٰ ایک ایسے عارضے کا شکار ہے جس میں انسان کو اُداسی اور خوشی کی کیفیت طاری ہوتے ہی شدید بھوک کا حملہ ہوتا ہے جسے عام زبان میں "Emotional eating" بھی کہا جاتا ہے۔

"آپ کو آفس نہیں آنا، بالکل بھی۔" جیپ سرکاری عمارت پہنچ کے اُس نے آدمِ ثقلین کی تاکید کو گھاس تک نہیں ڈالی۔ گاڑی پارکنگ میں کھڑی کی اور سامنے میڈیا کا جمِ غفیر دیکھتے ہوئے آہ بھر کر رہ گیا۔ وہ کوئی سلبرٹی یا سیاست دان نہیں تھا پھر بھی یہ سمجھ سے باہر تھا کہ لوگوں کو ایک اسیسٹنٹ

کمشنر کی زندگی میں کیوں اتنی دلچسپی ہو رہی ہے۔ یہ ہماری سمجھ سے باہر تھا، سُبکتنگین حیدر کی سمجھ سے نہیں کیونکہ اُسے لوگوں کی دلچسپی کے سارے اسباب معلوم تھے۔ لوگوں کی نظر جیسے ہی اُس تک گئیں سب اپنے کیمرے، موبائل فون اور انتہائی لمبے سٹینڈ والے مائیک سنبھالے اُسکی جانب لپکے جو گلے میں سفید رنگ کی شال لٹکائے، سیاہ گھنی پلکیں سُکیر کر اُن سب کو اپنی جانب ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے دوڑ کر آتا دیکھ رہا تھا۔

"سنبھل کر!" ایک لڑکی نے اپنے سے بھی بڑا کیمرے کا سٹینڈ اٹھا رکھا تھا تبھی اُسکے ہونٹوں سے برجستہ نکلا۔ اچھی طرح کھانے کے بعد اعصاب جگہ پر آتے ہی گل لیلیٰ جس وقت کمرے سے باہر نکلی، احمد حسن پوری توجہ سے ایل۔ای۔ڈی کی جانب متوجہ تھے۔ وہ جو کچن میں جانے لگی تھی، کانوں میں پڑتی آواز پر ساکن ہوئی اور پھر چہرہ پھیرا۔ دیوار پر نصب سکرین اُسکی آنکھوں کے سامنے صاف نمایاں تھی جس میں اے۔سی سُبکتنگین حیدر اپنے آفس کی سرکاری عمارت کے باہر میڈیا کے نرغے میں سر اٹھا کر، سنجیدہ چہرے کے ساتھ کھڑا تھا۔

"آپ نے سلیم کیانی کو کیوں اتنی بُری طرح سب کے سامنے مارا؟" سوال کرنے والے وہی تھے جو سب جانتے تھے مگر مرچ مصالحے لگائے بغیر میڈیا کو سکون نہیں ملتا۔

"آپ لوگ اتنے ہی انجان ہیں یا ریٹنگز کے لیے بنتے ہیں؟" اُسکے طنزیہ سوال پر اُس آدمی کو کوئی خجالت نہیں ہوئی کیونکہ ظاہر ہے میڈیا میں ہونے کے لیے طبیعت سے ڈھیٹ ہونا بے حد ضروری ہے۔

"سلیم کیانی سے آپ کی کیا دشمنی ہے؟" اگلا سوال تیار تھا۔

"آپ لوگوں کو کیا لگتا ہے؟" وہ تو جیسے اپنے پروں پر پانی نہیں پڑنے دے رہا تھا۔ سب نے کھسیا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ لیلیٰ خاموشی سے اُس چہرے کی بے پرواہی دیکھتی رہی۔

"وہ لڑکی کون تھی جسکی وجہ سے آپ اتنی جارحیت پر اُتر آئے؟" اگلا سوال ماحول میں سکوت طاری کر دینے والا تھا۔ سُبکٹنگین حیدر کے چہرے کے تاثرات، ہر کسی نے بدلتے محسوس کیئے۔ احمد حسن صاحب نے چہرہ پھیر کر ہال کے دروازے پر ایستادہ گلِ لیلیٰ کو بے طرح حیران ہو کر دیکھا۔

"کوئی لڑکی؟" کیا ہی بے نیاز انداز تھا۔ میڈیا والے ایک دوسرے کو شبہات سے دیکھنے لگے۔

"مجھے کسی لڑکی کا معلوم نہیں۔ میں تو اپنا پُرانا حساب چکاتا کرنے گیا تھا۔" اُسکی زبان میں ذرا لڑکھڑاہٹ نہیں تھی۔ اُسکو بات بدلنے میں کمال حاصل تھا۔ اپنے کمرے میں بیٹھ کر اُسکو تنفر سے دیکھتی ہالہ سرور نے نفرت سے مٹھیاں بھیج لیں۔

"تو پھر آپ اُس لڑکی کو اپنے ساتھ کیوں لے کر گئے؟" اگلا سوال بڑی احتیاط اور الفاظ کے چنناؤ کے بعد اُسکے سامنے رکھا گیا کیونکہ وہ سرد نظریں ہڈیوں میں گھس جانے والی تھیں۔

"تو کیا وہیں سلیم کیانی اور آپ جیسے لوگوں میں چھوڑ دیتا؟" وہ اب اُکتانے لگا جبکہ میڈیا والے جو کسی سنسنی خبر کے منتظر تھے، اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔

"آپ کو معلوم تھا کہ۔۔۔"

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ گاڑی میں ایک لڑکی بھی ہے۔" سوال قطع کر کے اُس نے سختی سے تردید کی۔ وہ سب اُسکا قیمتی وقت ضائع کر رہے تھے۔ لیلیٰ نے تھکتا سانس لیا۔ کوئی اُن دیکھا بوجھ سا اُسکے

اعصاب سے سرکنے لگا جو سُبکتنگین حیدر جاتے وقت اپنی موجودگی، اپنی الفاظ سے اُسکے دل پر دھڑکیا تھا۔

"چار سال جیل میں گزارنے کے باوجود آپکو معلوم نہیں ہو سکا کہ ہر بات کا جواب ہاتھ پائی اور مار دھاڑ نہیں ہوتا۔" اگلی رائے سُبکتنگین حیدر کی طرف سنساتی گولی کی طرح آئی۔ پلٹتی گل لیلیٰ کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی گئی۔ کرنٹ کھا کر پلٹتے ہوئے اُس نے سکرین پر واضح ہوتے چہرے کو دیکھا جو برف کی طرح سرد تھا۔ اُن آنکھوں کی کاٹ رگیں کاٹ ڈالنے والی تھیں۔ وہ تاثرات ہڈیوں تک میں گھس کر برف کر دینے والے تھے۔

"سمجھ آگئی ہے تبھی تو آپ کو کچھ کہے بغیر جا رہا ہوں۔" گھر درے لہجے میں کہتے ہوئے اُن سب کو نظر انداز کر کے آگے بڑھا اور سب بوکھلا کر تیزی سے پیچھے ہوئے۔ اُن سب کے بھانت بھانت کے سوالات لمحے بھر کو تھمے مگر سب پھر سے اُس پر سوالوں کی بوچھاڑ کرنے لگے جنہیں سرے سے نظر انداز کر کے آگے بڑھ کر سُبکتنگین حیدر سیڑھیاں عبور کرتے ہوئے سرکاری عمارت میں داخل ہو گیا۔

✓ اپنا اندازِ جنوں سب سے جدا رکھتا ہوں میں

چاک دل، چاک گریباں سے سوار رکھتا ہوں میں

ہے خود اپنی آگ سے ہر پیکرِ گل تابناک

لے ہوا کی زد پہ مٹی کا دیا رکھتا ہوں میں

میں کہ اپنی قبر میں بھی زندہ ہوں گھر کی طرح
 ہر کفن کو اپنے گرد احرام سا رکھتا ہوں میں
 دشتِ غربت میں ہوں آوارہ، مثالِ گرد و بار
 کوئی منزل ہے نہ کوئی نقشِ پا رکھتا ہوں میں
 میرا سایہ بھی نہیں میرے اُجالے کے بغیر
 اور اُجالے کا تصور خواب سا رکھتا ہوں میں۔۔۔

✓ سڑک کنارے کھڑے درختوں سے پوچھتی ہوں
 کوئی گزرتا بھی ہے کہ بس عادتاً ہرے ہو۔۔۔

(حمیدہ شاہین)

عصر کی نماز پڑھ کر بوتیک میں رش کم ہوتے ہی کچھ دیر کی ہوا خواری کے لیے وہ زارا کو بتا کر پچھلے
 جنگل کی طرف چل پڑی۔ یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ جب سے ایبٹ آباد آئی تھی تب سے ہی اُسکی نظر
 اس جنگل پر تھی۔ ارد گرد توجہ اور شوق سے دیکھتے ہوئے اُسکے قدم آگے بڑھتے جا رہے تھے۔
 خاموش، گھنا، دلفریب جنگل اس قدر خوبصورت تھا کہ گلِ لیلیٰ سحر زدہ ہونے لگی۔ ایبٹ آباد میں جیسے
 قدر نے کوئی اسم پھونک رکھا تھا۔ کل ہونے والی بارش کے سبب جہاں سبزہ دھل کر آنکھوں کو
 تراوہٹ پُہنچا رہا تھا وہیں خنکی ماحول کو مزید خوشگوار کر رہی تھی۔ ہاتھ میں تھامی سکیچ بُک کو ایک نظر

دیکھ کر اُس نے اطراف میں بیٹھنے کی جگہ تلاش کی اور پھر دریا کے کنارے پتھر پر بیٹھ کر مُسکراتی آنکھوں سے آہستگی سے بہتے پانی کو دیکھنے لگی۔ کچھ ہی لمحے گزرے کے عقب سے آتی قدموں کی آہٹ پر چونک کر چہرہ پھیرا۔ درختوں کے جھنڈ سے نکل کر آتے سُبکتنگین حیدر کو دیکھ کر اُسکی دھڑکن تھمی مگر پھر وہ لمحہ آیا اور کسی کو خبر کیئے بغیر دبے پاؤں گزر گیا۔ سُبکتنگین کی نگاہ اُس تک نہیں گئی تھی تبھی لاپرواہی سے پشت پر ہاتھ باندھے آگے بڑھ رہا تھا یوں جیسے یہاں آتے رہنا اُسکا معمول ہو۔ ماحول میں کچھ مختلف محسوس ہوتے اُس نے سامنے نگاہ کی اور دریا کے کنارے پتھر پر بیٹھی گلِ لیلیٰ کو دیکھ کر ٹھہر گیا۔ لیلیٰ کا جس طرح چہرہ سنجیدہ ہوا اس سے صاف ظاہر تھا کہ اُسکو سُبکتنگین حیدر کی آمد پسند نہیں آئی تبھی سُبکتنگین آہستگی سے پلٹا۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" لیلیٰ سکیچ بک پتھر پر رکھ کر تیزی سے کھڑی ہوئی۔ گہرا سانس لے کر سُبکتنگین اُسکو دیکھے بغیر پلٹ کر اُسکی جانب آیا اور بہتے دریا کی جانب چہرہ کر کے کھڑا ہو گیا۔

"میں سُن رہا ہوں۔" اُسکی خاموشی پر سُبکتنگین کو اپنے ہمہ تن گوش ہونے کا ثبوت دینا پڑا۔

"مجھے اُمید ہے آپ میری بات سمجھیں گے اور بُرا نہیں منائیں گے۔" بات کے آغاز میں ہی حفظِ ماتقدم کے طور گلِ لیلیٰ نے واضح کیا۔

"بابا بہت پریشان رہتے ہیں۔" اُسکی بات پر سُبکتنگین کی بے داغ پیشانی پر شکنیں پھیلیں۔

"پہلے بھی رہتے تھے لیکن پرسوں سے زیادہ ہیں۔ وہ آپ سے بہت لگاؤ رکھتے ہیں لیکن آپ کو ہمارے گھر نہیں آنا چاہیئے نہ ہی میرے بوتیک۔ بے شک آپ ضروری کام سے آتے ہوں، بے شک بات وہ

نہیں ہے لیکن پھر بھی جتنی منہ اتنی باتیں۔ "نظریں پھیر کر اُس نے روانی مگر بے ربطی سے کہہ دیا۔ وہ جانتی تھی کہ اُسکی بات برابر کھڑے شخص کو بُری لگ سکتی ہے مگر وہ اپنے باپ کو کسی آزمائش، مشکل یا پریشانی میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اُسکے لیے ہمیشہ سے اہم اور اوّل اُسکے بابا ہی تھے۔

"بہتر!" اُسکی خاموشی پر سُبکتگین سمجھ گیا کہ بات یہی ہے۔ اُس مختصر جواب کے بات کچھ کہنے کی گنجائش بچتی نہیں تھی۔ کئی لمحے دبے پاؤں اُنکے پاس سے گزرتے چلے گئے اور پھر سُبکتگین واپس جانے کو پلٹا۔ اُسکو جاتے دیکھ کر لیلیٰ نے پتھر پر پڑی سکیچ بک اٹھائی اور چند کاغذ پھاڑ کر دریا کے عین پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ جاتے سُبکتگین نے پیچھے پلٹ کر اُسکو اور پھر آسمان پر گہری ہوتی شام کو۔ گو کہ مغرب کا وقت دُور تھا مگر موسم کی وجہ سے زیادہ جلدی اندھیرا طاری ہو سکتا تھا۔ کچھ سوچ کر اُنہی قدموں سے واپس تک آیا اور قدرے آگے کو ہو کر اُسے دیکھا جو کاغذ کی کشتیاں پوری جانفشانی سے بنا رہی تھی۔

"آپ کو اس وقت اپنے گھر ہونا چاہیے۔ پرسوں کا واقعہ بھول گئی ہیں؟" پیچھے سے آتی گھمبیر، سنجیدہ آواز پر دل پر ہاتھ رکھ کر چہرہ پھیرا۔ اُسے لگا کہ وہ جا چکا ہو گا اور اُس چہرے کو بغور دیکھتے سُبکتگین نے نظریں پھیر لیں۔

"نہیں! بس یہ کشتیاں بہا لوں۔" چہرہ واپس پھیر کر آہستگی سے بتایا۔

"محاورے میں تو جلاتے ہیں۔" پشت پر ہاتھ باندھتے ہوئے اُسکو کشتی بناتے پوری دلچسپی سے دیکھنے لگا۔

"اصل مفہوم کشتیوں کے جلانے میں نہیں ہے۔" اُس اسرار بھرے انداز پر سُبکَتِگین حیدر کے جھکے چہرے کو مسکراہٹ چھو گئی۔

"پھر کس میں ہے؟" وہ جو بیگانہ ہونے کا عہد کر کے جا رہا تھا، نہیں رہ سکا۔

"بناوٹ میں ہے۔" مختصراً کہہ کر اُس نے کشتی بنا کر آنکھوں کے سامنے کی اور مسکرا دی۔ سُبکَتِگین حیدر کے گلے میں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی اور پھر اُس نے چہرہ اٹھا لیا۔

"یعنی؟" سُبکَتِگین واقعی اُسکا مفہوم جاننا چاہتا تھا۔

"جو کشتی لکڑی کی بنی ہوئی ہو اُسکو جلاتے ہیں اور جو کاغذ کی ہو اُسکو پانیوں کے حوالے کرتے ہیں یعنی ہر شے کو اُسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے جس سے وہ تحلیل ہو جائے۔" لہجے میں بے حد گہرائی پنہاں تھی۔ سُبکَتِگین حیدر کو بے اختیار چہرہ جھکا کر اُسے دیکھنا پڑا جسکو وہ دوبارہ ایسے سازگار حالات میں نہیں دیکھنے والا تھا۔ اعصاب پر جیسے بھاری برف کی سل آگری۔ خاموشی پر لیلیٰ نے چہرہ پھیرا۔ وہ قدم اُسکے برابر سے جا چکے تھے۔ سُبکَتِگین حیدر اب وہاں نہیں تھا۔ سر جھٹک کر اُس نے جھک کر کاغذ کی کشتیوں کو پانی میں اتار دیا۔ دُر ختوں کے جھنڈ کے پرے او جھل ہو جانے سے قبل سُبکَتِگین حیدر نے پلٹ کر گل لیلیٰ کو کشتیاں گہرے پانیوں کے سپرد کرتے دیکھا اور پھر اپنے راستے کی جانب بڑھ گیا۔

✓ اُس نے کاغذ کی کئی کشتیاں پانی پر اتاریں

اور یہ کہہ کر بہا دیں کہ سمندر میں ملیں گے۔۔۔

آج وہ ماہ پارہ اور حمزہ کے ساتھ شاپنگ کے لیے آئی تھی تبھی ماہ پارہ آگے نکل گئی تو حمزہ اُسکے برابر چلنے لگا۔

"ویسے تمہیں نہیں لگتا ہمیں شادی سے پہلے زیادہ سے زیادہ ملتے رہنا چاہیے۔" حمزہ کی شوخی پر کان دھرے بغیر وہ پوری دلچسپی سے کپڑوں کو دیکھنے لگی حالانکہ اُسکو خریداری کا بالکل بھی شوق نہیں تھا۔

"کتنی بُور لڑکی ہو تم۔" حمزہ اُسکی توجہ کپڑوں پر دیکھ کر تمللا کر رہ گیا۔

"کل ہم کہیں ڈنر کرنے چلیں۔" وہ ایک اور ٹرائی ضرور کرنا چاہتا تھا۔ لیلیٰ نے پلٹ کر اُسکو سخت نظروں سے دیکھا اور پھر بولی

"ٹھیک ہے! تمہاری فیملی ہمارے گھر آ جائے۔" انداز بہت مدلل تھا۔

"میں اپنی اور تمہاری بات کر رہا ہوں۔ اپنے کچھ دوستوں سے تمہیں ملوانا چاہتا ہوں۔" حمزہ کو اُسے رام کرنا ہی تھا۔ سارے کلاس فیلو نہا دُھو کر پیچھے پڑ گئے تھے۔

"ماہ پارہ آنٹی ویسے بھی جلدی شادی کرنے کا سوچ رہی ہیں تو تم اُن سب کو بھی دعوت دیں لینا۔" سنجیدگی سے کہہ کر آگے بڑھی۔

"اگر شادی نہیں ہوئی؟ کم از کم منگنی کا تو فائدہ ہونے دو مجھے کچھ۔" حمزہ کی اگلی بات پر لیلیٰ ٹھٹکی اور پھر تعجب سے چہرہ پھیرا۔

"ایگزیکٹو! تو پھر میں کیوں ملتی پھروں ایرے غیرے سے۔" انتہائی اطمینان سے جواب پیش کیا گیا۔
 حمزہ پل بھر کے لیے اُس لڑکی کی زبان درازی پر تھم گیا۔ تمللا کپڑوں کی دوسری قطار میں جاتی لیلیٰ کو
 اُس نے دیکھا اور پھر جیب سے سیل فون نکال کر نمبر ملا تے ہوئے کان سے لگایا۔

"نہیں مانے گی۔ بہت ٹیڑھی کھیر ہے۔" اب لہجہ پچھلے والے حمزہ کے انداز سے بے حد مختلف تھا۔ یہ وہ
 لہجہ نہیں تھا جس سے حمزہ نثار سب کے سامنے شوخی اور بے پرواہی سے بات کرتا تھا۔ اس لہجے میں
 کچھ بہت عجیب سا تھا۔ کال منقطع کر کے سیل فون جیب میں ڈال کر چلتے ہوئے کپڑوں کی جانب
 پورے دھیان سے متوجہ لیلیٰ کی جانب آیا۔

"اگر میں احمد انکل سے اجازت لے لوں؟" عقب سے پوچھے گئے سوال پر ہینگ کیے گئے کپڑے
 آگے پیچھے کرتی لیلیٰ کے ہاتھ ساکن ہوئے۔

"بابا بھی گھر کی دعوت دیں گے۔" اُسکے انداز میں اطمینان تھا تبھی پلٹے بغیر کہا۔

"چلو! پھر دیکھتے ہیں۔" حمزہ نثار کے لیے ایک اور چیلنج سہی۔

"اگر انکل نے اجازت دے دی؟" اُسکے برابر آتے ہوئے اُس نے مسکراتے ہوئے لیلیٰ کو دیکھا۔

"پھر میں چلوں گی۔" وہ جانتی تھی اپنے بابا کو تبھی بے نیازی سے کہا جبکہ حمزہ کے چہرے کو فتح مند
 تاثرات نے چھو لیا۔

"اور اگر بابا نے اجازت نہیں دی تو۔۔۔" یک دم اُسکی جانب پلٹ کر لیلیٰ نے سنجیدگی سی اپنی بات
 ادھوری چھوڑی۔

"تو۔۔" اُن سنجیدہ نظروں پر حمزہ نے بات مکمل کرنے پر زور دیا۔

"تو پھر تم یہ چھپوری حرکتیں بند کر دو گے۔" حمزہ نثار کو ایسی شرط کی اُمید نہیں تھی تبھی ہونق ہوا اور پھر قہقہہ لگا کر ہنستا چلا گیا۔ کاؤنٹر سے پلٹی ماہ پارہ نے اشتیاق سے اُن دونوں کو دیکھا جنکی بونڈنگ اُنکی سوچ سے زیادہ اچھی تھی۔ شاید سُبکتگین نے اُنکو اکسانے کو، جلانے کو ویسے ہی کہہ دیا ہو۔ ایسی ہی بات تھی ورنہ وہ ابھی تک قیامت برپا کر چکا ہوتا۔ ماہ پارہ نثار جانتی تھی کہ سُبکتگین حیدر اپنے لوگوں کے بارے میں کس قدر جذباتی ہے۔ وہ آسانی سے اپنا حق چھوڑنے والوں میں سے ہرگز نہیں تھا۔

"منظور ہے!" اُن نظروں پر قہقہہ دبا کر اُس نے تسلیم کیا۔

"میں تمہیں ہارتا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہوں گا۔" حمزہ نثار بے حد محضوظ ہو رہا تھا مگر لیلا نے اُسکی شوخیاں کو پھر سارا راستہ بھاؤ نہیں دیا۔ واپسی پر بھی ماہ پارہ بیگم کے سوالات کے جوابات دیتی رہی اور حمزہ کی حرکتوں اور باتوں کو بڑی بے نیازی سے نظر انداز کرتی رہی۔ اب جب ماں کے سامنے اتنا شوخا ہو سکتا ہے تو اُسکو کوئی کیا ہی سمجھائے۔ اللہ اللہ کر کے گھر آیا اور وہ گاڑی سے اُتری۔ عجیب مصنوعی سا انداز تھا اس فیملی کا سوائے۔۔۔ سر جھٹک کر کھلتے دروازے سے اندر چلی گئی۔ یہ جانے بغیر کے اُسکے بابا نے ماہ پارہ اور حمزہ نثار کو اندر بلا لیا تھا۔

اگلے دن جب دوپہر کا کھانا کھانے گھر آئی تو احمد صاحب نے اُسکو کھانے کی میز سے اُٹھتے ہوئے روک لیا۔

"عصر کی نماز کے بعد حمزہ کے ساتھ چلی جانا۔" کھڑی ہوتی گلِ لیلیٰ کی پوری ہستی شل ہو گئی۔ آنکھیں پھاڑے اپنے باپ کو یوں دیکھنے لگی جیسے پہچانے کی سعی کر رہی ہو۔ یہ اُسکو اپنے عزیز از جان باپ کی جانب سے ملنا والا ایسا دوسرا بڑا دھچکا تھا جس نے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچ لی۔ کتنی ہی دیر تک گلِ لیلیٰ اُنکو دیکھے گئی جو اُسکے علاوہ ہر چیز کو دیکھ رہے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ اُس سے نظریں چُرائی جا رہی ہیں۔

"اچھا!" آہستگی سے کرسی دھکیل کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ عصر کی اذان ہونے میں کتنا ہی وقت باقی رہ گیا تھا۔ اُسے ڈنر کے لیے تیار بھی ہونا تھا آخر حمزہ نثار شرط جیت گیا تھا جو گلِ لیلیٰ نے پورے یقین کی بساط پر لگائی تھی۔

✓ گمان کی مچھان پر یقین مت تلاش کر

نہ جانے انت کیا کھلے، خبر تو خود سفر میں ہے۔۔۔

اُسکی حیرت کچھ دیر ہی قائم رہی۔ وہ اپنے باپ کے خدشات سمجھ رہی تھی۔ احمد حسن صاحب اس رشتے کو واقعی ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتے تھے۔ اب نبھانے کی باری گلِ لیلیٰ کی تھی۔ اُسے حمزہ کو فار گرانڈ لینے سے گریز کرنا ہو گا۔ اُسکے لیے آج کے بعد حمزہ نثار ہی آخری آپشن بچا تھا کیونکہ اُسکے باپ نے آج اُسکے یقین کی سمت کا تعین بدل کر رکھ دیا تھا۔ یونہی صوفے پر بیٹھ کر چپس کھاتے ہوئے کچھ دیر ہی گزری تھی کہ عصر کی اذانیں ہونے لگیں۔ چپس فرصت سے ختم کر کے الماری سے نفیس سے کپڑے لیے واش روم میں چلی گئی۔ وضو کے ساتھ اُسکی واپسی ہوئی اور پھر گلِ لیلیٰ پوری یکسوئی سے، ہر شے کو پس پشت ڈال کر نماز کی جانب مشغول ہو گئی۔ ابھی دُعا ہی مانگ رہی تھی کہ

باہر گاڑی کا ہارن بجا اور یقیناً حمزہ نثار شرط جیتنے کی خوشی میں جلدی آگیا تھا۔ جائے نماز تہہ کر کے حجاب اوڑھ کر اُس نے ٹیبل پر پڑی چادر اور کلچ اٹھایا اور پھر تیز قدموں سے باہر نکلی۔ بابا وضو کرنے گئے ہوئے تھے ورنہ دروازہ کھول دیتے کیونکہ حمزہ تو ہارن پر ہاتھ رکھ کر سو گیا تھا۔

"تمیز سے، حمزہ!" اُسکو آتے دیکھ کر حمزہ نے مسکرا کر کھڑکی کا شیشہ نیچے کیا۔

"مجھے لگا کہیں شرط ہارنے کا غم نہ لگا لیا ہو۔" اُسکے محضوظ انداز کو لیلیٰ نے واضح نظر انداز کیا۔

"اندر آ جاؤ پہلے۔ بابا نماز پڑھنے چلے جائیں گے۔" اُسکے کہے جانے پر حمزہ ٹس سے مس نہیں ہوا جبکہ لیلیٰ نے نا سمجھی سے اُسکے انداز دیکھے۔

"تمہارے بابا کو سُبک بھائی کے علاوہ کوئی نظر نہیں آ سکتا۔" وہ جیلس نہیں تھا مگر پھر بھی کچھ تھا اُسکے لہجے میں جس نے گل لیلیٰ کو چونکا دیا۔

"اتنا بھی مشکل نہیں ہے بابا کی گڈ بکس میں شامل ہونا۔" اُس کا انداز سمجھانے والا تھا۔

"اُترنا ہے یا نہیں؟"

"نہیں!"

"مرو یہیں۔" یہ لیلیٰ اُونچا نہیں کہہ سکتی تھی۔

"میں بابا کو جانے کی اطلاع کر دوں۔" تخیل سے کہہ کر، پلٹتے ہوئے اندر چلی گئی۔ گل لیلیٰ اُس سے بے مقصد کی بحث کر کے بات خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"بابا! میں حمزہ کے ساتھ جا رہی ہوں۔ مغرب کے بعد واپس آ جاؤں گی۔" لیلیٰ کے کہے جانے پر احمد صاحب نے چونک کر لکڑی کے بند دروازے کو دیکھا اور پھر سادگی سے تیار لیلیٰ کو۔

"اندر نہیں آیا، حمزہ؟"

"کہہ رہا تھا دیر ہو رہی ہے تو میں نے سوچا آپ کو نماز بھی پڑھنی ہے۔" آگے بڑھ کر ساری ناراضگی بھلائے اُس نے اُنکا بازو تھپکا اور پھر مُسکرا کر پلٹ گئی۔ احمد حسن کتنی ہی دیر تک بند ہوتے دروازے کو دیکھتے رہے۔

"تھان لپیٹنے کی کیا ضرورت تھی۔" گاڑی چلاتے حمزہ نے اُسکی شیشے کی چادر اور حجاب کو تنقیدی نظر سے دیکھا جبکہ اپنے خیالات میں مُنہمک لیلیٰ نے چونک کر چہرہ پھیرا۔

"تمہیں میرے پہناوے سے کیا مسئلہ ہے؟" صاف ظاہر تھا کہ گل لیلیٰ کو حمزہ کی بے جا رائے سخت بُری لگی ہے۔

"میں تمہیں اپنے سرکل سے ملوانے لگا ہوں اور تم ایسے حلیے میں۔۔۔" جان بوجھ کر اُس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"تمہارے پہناوے پر جب میں رائے نہیں دے رہی تو تمہیں بھی حق نہیں۔" سنجیدہ لہجہ بہت کچھ باور کرواتا ہوا تھا۔ حمزہ نے موڑ کاٹتے ہوئے چہرہ پھیر کر تحیر سے اُسکے سنجیدہ تاثرات ملاحظہ کیئے۔ برابر بیٹھی عورت سمجھ سے باہر تھی۔ ایسے تُرکی بہ تُرکی جواب دیتی عورت پہلی بار دیکھی تھی اُس نے۔

"تم شروع سے ہی ایسی بدزبان، سڑی بُھجی سی ہو؟" اب کے ہمدردی سے پوچھا۔

"ڈنر کتنے بجے ہے؟" لیلیٰ کسی کا اُدھار رکھتی نہیں تھی مگر یہاں اپنے بابا کا چہرہ اڑے آ رہا تھا تبھی سوال بدل گئی۔

"نو بجے۔" حمزہ کے بتائے جانے پر اُس نے حیرانگی سے چہرہ پھیرا۔

"اتنا لیٹ۔ میں تو بابا کو مغرب کے بعد آنے کا کہہ کر آئی ہوں۔" اُسکی پریشانی کو اب حمزہ نے کوئی بھاؤ نہیں دیا۔

"کچھ نہیں ہوتا۔ پہلا ڈنر ہے، دیر سویر چل جائے گی۔" اُسکا انداز بے پرواہ تھا۔ باقی راستے لیلیٰ نے پھر اُسکی بات پر بس ہوں، ہاں ہی کیا۔ اُسکو اپنے بابا کی پریشانی ہونے لگی تھی۔ "Food Planet" کے سامنے حمزہ نے گاڑی روکی۔

"تم یہاں نئی ہو تو معلوم نہیں ہو گا۔ یہ کافی مشہور ریسٹورنٹ ہے ایبٹ آباد کا۔" حمزہ کی اضافی معلومات پر لیلیٰ نے چہرہ پھیر کر ارد گرد رش کو دیکھا جس سے صاف ظاہر تھا۔ سر ہلا کر گاڑی سے باہر نکلی جبکہ حمزہ قدرے ہٹ کر گاڑی پارک کرنے لگا۔ جگہ اچھی اور پُر سکون تھی۔ رش کے باوجود شور نہیں تھا۔ اُسے رش اور شور والی جگہ سے عجیب اکتاہٹ اور بے زاری ہوتی تھی مگر خیر! اب جب اُوکھلی میں سر دے دیا تو کیا ڈرنا۔

"چلو۔۔!" حمزہ کی پُکار پر اپنے خیالات پس پشت ڈال کر اُسکے ساتھ اندر ریسٹورنٹ میں داخل ہو گئی۔ باہر کی نسبت اندر کشادگی تھی۔ ڈارک تھیم بہت اچھا تاثر دے رہی تھی۔ حمزہ اُسے لیئے شیشے کے پاس

ٹیبیل پر آیا جہاں چار لڑکے بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ لیلیٰ پہلے ٹھٹکی اور پھر اُن سب کے سلام کہنے پر جواب دیتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئی۔

"آپ واقعی حمزہ کی۔۔۔" اس سے قبل اُسکا انٹرویو شروع کیا جاتا، حمزہ کا سیل فون بجنے لگا۔

"میں ایک سکینڈ آیا۔ یو گائز، کیری آن۔" لیلیٰ کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع دیئے بغیر حمزہ تیزی سے منظر سے غائب ہو گیا۔ چہرہ پھیر کر لیلیٰ نے اُن چاروں کے مسکراتے چہروں کو دیکھا۔

"آپ ریلکس رہیں! ابھی آ جاتا ہے حمزہ۔" اُسکے چہرے کی سنجیدگی پر اُن میں سے ایک کو تسلی دینی پڑی۔

"آپ حمزہ کی کزن ہیں یا نئی فرینڈ؟" ایک اور سوال بڑے اشتیاق سے آیا۔ گل لیلیٰ نے چونک کر اُن سب کے چہرے کو دیکھا اور پھر اُس نے اپنے کلچ پر گرفت مضبوط کی۔

"حمزہ نے نہیں بتایا آپ کو؟" اُسے واقعی یقین نہیں آ رہا تھا۔ یہاں اُسکو تعارف کے بغیر لے کر آیا تھا۔ اُن معنی خیز مسکراہٹوں پر اُسکا چہرہ سُرخ ہونے لگا۔ کیا سوچتے رہیں ہوں گے سب تب سے لے کر اب تک۔

"نہیں! وہ کہہ رہا تھا سر پرانز ہے۔ ویسے شرط حمزہ جیت چکا ہے۔ آپ واقعی بہت خوبصورت ہیں۔" اُس اگلی بات پر گل لیلیٰ کا دل خوف اور کرائیت سے سُکڑ کر پھیلا۔ وہ ان نظروں اور ایسے الفاظ کو سمجھتی تھی۔

"ایکسیوز می!" بے ساختہ گرسی دھکیل کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ حمزہ نہ جانے کہاں مَر گیا تھا۔

"ارے، آپ بیٹھیں تو۔" وہ سب ایک ساتھ بوکھلا کر کھڑے ہوئے۔

"کچھ آرڈر کرتے ہیں تب تک۔" ایک نے بات سنبھالنی چاہی۔

"جی نہیں، شکریہ! میں چلتی ہوں۔" کلچ کی سنہری زنجیر کندھے پر لٹکائے کر جیسے ہی پلٹنے لگی، ایک لڑکا کرسی چھوڑ کر تیزی سے اُسکے آگے آیا۔

"ایسے کیسے بھاگی جا رہی ہیں محترمہ۔ حمزہ نے رات دس بجے تک کی شرط لگائی تھی۔" اُس لڑکے کے مسکراتے چہرے کو کینہ توڑ نظروں سے دیکھتی لیلیٰ کی نظر اُسکے آگے کو پھیلے ہاتھ تک گئی جسے لمبا کر کے وہ اُسکا راستہ روکے ہوئے تھا۔

"ہاتھ پیچھے کرو۔" بہت تحمل سے کہنا پڑا۔

"حمزہ کے آنے تک انجوائے کرتے ہیں۔" اور بس اس بات پر گل لیلیٰ کا ضبط رخصت ہوا۔ قبل اُسکے کہ اُسکا ہاتھ اُٹھ کر مقابل کھڑے لڑکے کے منہ پر نشان چھوڑتا، پیچھے سے آکر کسی نے اُس لڑکے کا وہی ہاتھ جھٹک کر اُسکی پشت سے لگاتے ہوئے کراہنے پر مجبور کر دیا۔ حیران رہ جاتی لیلیٰ نے تیزی سے پلٹ کر پیچھے دیکھا اور پھر اُسکا سانس تھم گیا۔ سُبکتنگین حیدر سخت تاثرات کے ساتھ اُس لڑکے کا بازو اُسکی پشت سے لگائے اُسکی جانب متوجہ ہوا جو اس ناگہانی آفت پر ششدر تھی۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" لہجے میں بلا کی اجنبیت تھی مگر محسوس نہیں ہو سکی۔

"اُوئے! میرا ہاتھ۔۔۔ چھوڑ۔" باقی لڑکے تو سُبکتنگین کو دیکھ کر شرافت سے پیچھے ہوئے جبکہ اُس لڑکے کی دُہائی پر سُبکتنگین نے اُسکا بازو چھوڑ کر اُسکے دوستوں کی جانب دھکیل دیا۔

"آپ جائیں!" لیلیٰ کو دیکھے بغیر کہتے ہوئے اُس نے اُن چاروں لڑکوں کا خُون خُشک کر دیا۔ وہ اُسکو اچھی طرح جانتے تھے۔ لیلیٰ جو اُسکو روکنے لگی تھی، کچھ سوچ کر تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔ اُسے یہاں سُبکدگین کے ساتھ کھڑے ہو کر اپنے بابا کو پریشان نہیں کرنا تھا۔

"تمیز تہذیب دوبارہ سیکھنے کی ضرورت ہوئی تو بتانا مجھے۔" کرخت لہجے میں کہہ کر اُس نے کٹیلی نظروں سے اُن چاروں کو دیکھ کر دُکھنے پر مجبور کر دیا۔ اُسکا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ ایک رکھ کر اُن سب کو لگاتا، لگا بھی دیتا اگر جو اکیلا ہوتا۔ اُسکا لگایا پچھلا تماشا ابھی اتنا پُرانا نہیں ہوا تھا۔ سیڑھیاں طے کر کے نیچے آیا تبھی اُس کی نظر قدرے سائیڈ پر کھڑی گل لیلیٰ سے ٹکرائی۔ وہ خود کو اس رش میں مزید اجنبی نہیں رکھ سکا۔

"حمزہ کہاں ہے؟" عقب سے آتے استفسار پر لیلیٰ نے پلٹ کر اُس بے تاثر چہرے کو دیکھا۔

"واللہ عالم!" اُسکا بھی لہجہ سنجیدہ ہوا۔ چند لمحے یونہی خاموشی سے گزر گئے۔ سُبکدگین چہرہ پھیر کر ریسٹورنٹ کے دروازے کو منتظر نظروں سے دیکھنے لگا جبکہ لیلیٰ گاڑی کو۔ اُسکا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ حمزہ کا چہرہ تھپڑوں سے سُرخ کر دیتی تبھی اُسکو حمزہ سیڑھیاں اُتر کر پریشانی سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اُترتا نظر آیا۔ اس سے قبل لیلیٰ آگے بڑھتی، سُبکدگین سنجیدہ نظروں سے حمزہ کو دیکھ کر پیچھے، کم رش والی جگہ پر لے کر گیا۔ لیلیٰ ٹھکی اور پھر تیزی سے اُنکے پیچھے لپکی تبھی اُسکی عین آنکھوں کے سامنے اُس نے سُبکدگین حیدر کو حمزہ پر ہاتھ اٹھاتے دیکھا۔ ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اُسکو تیزی سے پیچھے ہونا پڑا جبکہ حمزہ چہرہ نیچے کو گرائے، گال پر ہاتھ رکھے ششدر کھڑا رہ گیا۔ اُسکا بند کان اور سُگلتا گال اُسکی بے یقینی کو یقین میں ڈھالنے کو کافی تھی۔

"آپ نے۔۔۔" چہرہ اٹھا کر بے یقینی سے اُس سے کہا تک نہیں گیا۔ سُبکَتگین حیدر کی سرد نظریں اُسکے الفاظ گم کر گئی تھیں۔ وہ اپنے بھائی کے مزاج کو اچھی طرح جانتا تھا مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ اپنے کسی کلائنٹ سے وہ یہاں مل سکتا ہے۔

"بکواس کی تھی نہ میں نے کہ حفاظت نہیں کر سکتے تو مت ذمہ داری اٹھاؤ۔" اُسکے بھیج رکھے جہڑے سیاہ داڑھی سے بھی واضح تھے۔ دیوار کے پاس کھڑی گل لیلیٰ کا دل کئی زینہ نیچے سرکتا گیا۔

"سمجھایا تھا کہ عورت کو غیر مرد کے مجھے میں نہیں لے کر جاتے مگر ہو نہ تم نثار حیدر کی اولاد۔" اپنا ہاتھ دوبارہ اُسکے گال تک جانے سے بائشکل روک کر وہ دبا دبا غرایا۔ حمزہ نثار آنکھیں پھیلا کر اُن سیاہ آنکھوں سے نکلتے شعلوں کو دیکھے گیا۔ آج سے پہلے اُس نے سُبکَتگین حیدر کی ایسی نظریں نہیں دیکھی تھیں۔ وہ ابھی تک ششدر، ایک ہاتھ گال پر رکھے بے یقینی سے کھڑا تھا۔ گل لیلیٰ کا دل پانی بن کر بہہ جانے لگا تبھی سُبکَتگین کھینچتے اعصاب سے پلٹا۔ صرف ایک پل کو نگاہ اُن پھیلی، فُسون پھونکتی آنکھوں سے ٹکرائی اور دوسرے ہی پل اُسے یکسر نظر انداز کر کے اُسکے برابر سے ہو کر نکلتا چلا گیا۔ چہرہ پھیر کر لیلیٰ نے اُسکی مضبوط پشت کو دیکھا اور پھر ساکت و جامد حمزہ نثار کی جانب بڑھی۔

"حمزہ!" اُسکی پکار پر حمزہ نے چونک کر اُسکو دیکھا اور پھر اُن آنکھوں میں خُون اُتر آیا۔ ایک جھٹکے سے لیلیٰ کو گردن سے پکڑ کر پیچھے دیوار سے لگاتے ہوئے اُسکے چہرے کے تاثرات بگڑتے جا رہے تھے۔ وہ حملہ اتنا اچانک اور غیر یقین سا تھا کہ گل لیلیٰ کو اپنے بچاؤ تک کا موقع نہیں ملا۔ سانس بند ہوتا محسوس کر کے، کھانستے ہوئے اُس نے حمزہ کو پیچھے پوری قوت سے دھکیلنے کی کوشش کی مگر حمزہ نثار کا دماغ اُلٹ چکا تھا۔

"تم نے مجھے میرے دوستوں کے سامنے ذلیل کروایا ہے۔" اُسکی گرفت ہر آن سخت ہو رہی تھی۔
 "ج۔۔۔حم۔۔۔حمزہ!" کھانستی گلِ لیلیٰ نے نم آنکھوں کے ساتھ اطراف میں اُس شخص کو تلاشا جو بغیر کسی پُکار کے اُسکی مدد کو لپکتا تھا۔

"تم نے مجھے میرے بھائی کی نظروں میں گرا دیا۔" سُبکدگین کی آخری تاسف اور ملال میں ڈوبی بات اُسکے دل و دماغ پر نقش ہو گئی تھی۔ لیلیٰ کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ اتنی کمزور نہیں تھی کہ خود کا دفع نہیں کر سکتی مگر اُسے حمزہ سے ایسی جارحیت اور ظالمانہ رویے کی توقع نہیں تھی۔ حمزہ نثار تو صرف لا پرواہ اور چھچھورا تھا مگر نہیں، وہ۔۔۔ ظالم بھی تھا۔ اک دم اُس نے آنکھیں کھولیں۔ گردن اُسکی انگوٹھیوں اور ناخنوں سے چھلنی ہو گئی تھی اور پھر لیلیٰ نے پوری قوت سے حمزہ نثار کے منہ پر کلچ دے مارا۔ دوسرے گال پر ہوتی تکلیف نے اُسکو ہوش میں لا کر کراہتے ہوئے ہاتھ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ کھانس کر گلِ لیلیٰ تیزی سے سائیڈ پر ہوئی جبکہ حمزہ نے دھکتے گال پر ہاتھ رکھ کر اطراف میں دیکھا۔ یہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

"تم بد تمیز، بے شرم، جنگلی!" حجاب اور چادر دُست کر کے بیٹھتی آواز کے ساتھ کہہ کر وہ حمزہ کے پاس سے گزری۔

"چلو گاڑی میں بیٹھو۔ میں تمہیں۔۔۔" حمزہ بوکھلا کر تیزی سے آگے بڑھا۔ وہ جانتا تھا گلِ لیلیٰ عام لڑکیوں کی طرح دب نہیں سکتی۔

"شٹ آپ!" بغیر پلٹے تیز قدموں سے سڑک کی جانب بڑھی اور حمزہ کے دیکھتے ہی دیکھتے ٹیکسی میں بیٹھ کر چلی گئی۔ بالوں میں ہاتھ پھیر کر حمزہ نے دیوار پر نگہ مارا۔ اس لڑکی کا تو منہ بھی نہیں بند کروایا جاسکتا۔

"تم اتنی جلدی واپس آ گئی؟" دروازہ کھلنے کی آواز پر کاغذات کی رُوگر ادنی کرتے احمد صاحب نے فائل تیزی سے بند کر کے اُسکو دیکھا جو کچھ بھی کہے بغیر تیز قدموں سے کمرے میں چلی گئی۔ چند لمحے وہ یونہی نا سمجھی سے بیٹھے رہے اور پھر ساری فائلز سمیٹ کر بریف کیس میں رکھتے ہوئے اپنی جگہ سے اُٹھے۔ اُسکے کمرے کا دروازہ آہستگی سے کھٹکھٹایا۔

"آجائیں!" اندر سے آتی آواز پر وہ دروازہ کھول کر اندر آئے اور پھر اُسکو صوفے پر بیٹھ کر چپس کھاتے دیکھ کر ٹھکے۔

"کیا ہوا بیٹا؟ ابھی تو مغرب بھی نہیں ہوئی۔" اُنکے قدموں کی آہٹ پر لیلیٰ نے حجاب اچھی طرح گردن پر دُرسٹ کیا۔

"حمزہ کے دوست مل گئے تھے تو میں گھر آ گئی۔" اُس نے لہجہ ہر ممکن سرسری رکھا۔

"بس یہی بات ہے؟" اُنکو جیسے تسلی نہیں ہوئی۔

"اگر کوئی اور بات ہو بھی تو آپ کو کیا اپنی بیٹی کا معلوم نہیں۔ حساب برابر کرنا آتا ہے مجھے۔" مسکرا کر چہرہ پھیر کر اُنکو دیکھا اور پھر بند چپسوں کا ڈھیر اٹھا کر سائیڈ پر کرتے ہوئے اُنکے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔

"بس اسی بات کی تو تسلی ہے کہ تمہیں حساب برابر کرنا آتا ہے۔" اُنہوں نے مسکرا کر اُسکا سر نرمی سے تھپتھپایا۔

"حمزہ نے کچھ کہا ہے؟" کچھ دیر بعد اُنکی تفکر بھری آواز اُبھری۔

"جی مگر بے فکر رہیں سیدھا کر کے آئی ہوں اُسے۔" وہ اُن سے کوئی بات نہیں چُھپا سکتی تھی۔ بات چُھپانے میں زیادہ مسائل تھے۔ اُنہوں نے پریشانی سے اُسکے مطمئن چہرہ اور چلتے ہاتھوں کو دیکھا۔ وہ اب فرائیڈ مونگ پھلیوں کا پیکٹ کھول رہی تھی جس میں اُسکی جان بستی تھی۔

"کیا میرا فیصلہ غلط ہے؟" جانتے تھے مگر لیلیٰ کو سُننا چاہتے تھے۔ اُنکی گل لیلیٰ کے لفظوں میں مرہم تھا۔

"فیصلہ سہی ہے مگر انسان سہی نہیں ہے۔" اُس نے نرمی سے کہہ کر اُنکی جانب پیکٹ بڑھایا۔ چونکے بغیر احمد صاحب نے معمول کی طرح مٹھی بھر کر فرائیڈ مونگ پھلی نکالی، لیلیٰ نے پیکٹ پھر سے اپنے سامنے کر لیئے۔ وہ دونوں عین سیدھ میں کھڑکی سے باہر گہری ہوتی شام کو دیکھ رہے تھے۔

"تمہارے لیے کسی اور کی خواہش تھی میری۔" مونگ پھلیاں کھانے کو اُنہوں نے چہرہ جھکایا۔

"ہیں! کس کی؟" اُسے واقعی حیرت ہوئی۔ لیلیٰ کو لگا تھا حمزہ اُنکی فرسٹ چوائس ہے۔

"سُبُتْگین!" وہ نام نہیں تھا، صُور تھی جس نے گُلِ لیلیٰ کی رُوح سَلَب کر لی۔ فرائیڈ مونگ پھلیاں اپنا ذائقہ کھونے لگیں۔ خاموشی پر احمد صاحب کو چہرہ پھیرا۔ اُنکی گُلِ لیلیٰ بالکل ساکت، بغیر پلکیں جھپکے سامنے دیکھ رہی تھی۔

"بابا! آپ کو معلوم ہے نہ میرے مزاج کا، میری پسند کا۔" جو لمحہ لگا اُسکو اپنی سوچ یکجا کرنے میں، وہ لمحہ بہت بھاری تھا۔ احمد صاحب کہنا چاہتے تھے، تبھی تو یہ خواہش کی تھی مگر کہہ نہیں سکے۔

"مگر پھر میں ڈر گیا، خوفزدہ ہو گیا۔" اُسکی جیسے سنی ہی نہیں۔ اب کی بار لیلیٰ ٹھٹکی۔

"سُبُتْگین سے؟" وہ نام گُلِ لیلیٰ کے ہونٹوں سے سرگوشی کی صورت برآمد ہوا۔

"اُسکے نصیب سے۔" اُس انکشاف نے گہری ہوتی شام کو مضمحل کر دیا، نڈھال کر دیا۔

"محاورہ ہے کہ مُشکلیں مجھ پر اتنی پڑیں کہ آسان ہو گئیں، سُبُتْگین کے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ اُس پر مُشکلیں آسان نہیں ہوتیں۔" اُنکا لہجہ کانپ کر گلوگیر ہونے لگا۔ لیلیٰ گھائل ہوتی رُوح سے اُنکی آنکھوں میں آنسو چمکتے دیکھتی رہی۔ اُنکے جملے نے گُلِ لیلیٰ کو صدیوں کی تھکن دَان کر دی تھی۔

"کیوں آسان نہیں ہوتیں؟" وہ یہ سوال کرنے سے خود کو باز نہیں رکھ سکی۔

"واصف علی واصف کہتے ہیں کہ: جو اللہ پاک کے جتنا قریب ہوتا ہے اللہ پاک اُسکو اتنا بڑا غم، اتنی بڑی مُشکل دیتے ہیں اور جو اللہ پاک کے سب سے قریب ہوتا ہے اللہ پاک اُسے کربلا دے دیتے ہیں۔" اُنکی اگلی بات نے پورے کمرے کو لرزنے پر مجبور کر دیا۔

"ہو سکتا ہے بابا ایسا نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ مشکلیں اُس شخص پر آسان ہو جاتی ہوں مگر آپکو معلوم نہ ہو۔ جانتے ہی کہاں ہیں آپ اُسے۔" اُس کا انداز ڈھارس دینے والا تھا۔ احمد صاحب نے مسکراتے ہوئے چہرہ پھیر کر اُسکو دیکھا۔ لیلیٰ نے ہاتھ بڑھا کر گال پر پھسلتے اُنکے آنسو نرمی سے صاف کر دیئے۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔" اُنکے مدہم لہجے میں بڑا رنج تھا۔ گل لیلیٰ اپنے باپ کی محبت پر حیران ہونے لگی۔ کیا سُبکتگین حیدر اُنکو اس قدر محبوب تھا کہ وہ اتنی حساسیت سے اُسے سوچتے تھے؟ مگر کیوں؟؟

مُحبتوں میں تو لوگ ایک خاص اُمید بھی باندھ لیتے ہیں جس پیرائے پر اگر کوئی پورا نہ اترے تو دل ٹوٹنے کا عمل شدید ترین ہوتا ہے۔ کاش! سُبکتگین حیدر اُسکے باپ کی محبت کی قدر کرے، اُنکے پیرائے پر پورا اترے اور اُنکو کبھی دُکھ نہ دے۔ اُسکی اس دُعا پر فرشتوں نے اعلیٰ شان تخت پر جلوہ فرماں یزداں کو دیکھا جسکے ہاں سب کچھ پہلے سے طے ہو چکا تھا۔

حمزہ کو مارنے کا اُسے کوئی افسوس نہیں تھا مگر پھر بھی وہ اُسکو سمجھانا چاہتا تھا۔ حمزہ کے لیے اُسکے دل میں ہمیشہ سے نرم گوشہ تھا۔ جیپ کا رُخ 'حیدر منزل' کرتے ہوئے اُسکا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بننے لگا۔ وہ اپنے فیصلہ پر عمل کرنے اور نہ کرنے کے درمیان پہلی بار ڈانوا ڈول ہو رہا تھا۔ دروازے کے باہر ہی جیپ کھڑی کر کے اندر آیا جبکہ نثار حیدر اُسکی رات کے اس وقت آمد کی توقع نہیں رکھتے تھے۔ وہ رات کا کھانا کھا کر سٹڈی میں تھے جب اُنکو سُبکتگین کے آنے کی اطلاع ملی۔ کچھ دیر تک وہ سٹڈی کا دروازہ کھلنے کے منتظر رہے مگر جب پندرہ منٹ سے زیادہ ہوئے تو اُنکو اُٹھ کر سٹڈی سے باہر نکلنا پڑا۔

"سُبک کہاں ہے؟" سرونٹ کوارٹر میں جاتے ملازم نے رُک کر اُنکو دیکھا۔

"حمزہ صاحب کے کمرے میں۔" ملازم اطلاع دے کر جا چکا تھا۔ کیا حمزہ کے ساتھ کوئی مسئلہ ہوا تھا تبھی تو اُس نے آج سب کے ساتھ ڈنر کرنے کے بجائے اپنے کمرے میں کیا تھا۔ کچھ سوچ کر نثار حیدر، حمزہ کے کمرے کی جانب بڑھے اور اس سے قبل ہینڈل دبا کر اندر جاتے، سُبکتگین کی سنجیدہ آواز پر ٹھہر گئے۔

"میں یہاں تم سے اُس تھپڑ پر معذرت کرنے نہیں آیا۔" سُبکتگین نے ایک نظر ایش ٹرے میں پڑے سگریٹ کے جلے ٹکڑوں کو دیکھ کر رسائیت سے کہا۔

"معلوم ہے آپ کو معذرت کرنا نہیں پسند۔" حمزہ نے چہرہ پھیر کر اُسے نہیں دیکھا۔ انداز میں خفگی تھی۔

"تم نے جو کیا وہ بہت غلط تھا حمزہ۔ میں نے تمہیں سمجھایا بھی تھا کہ غیر مردوں کے مجمعے میں عورت کو نہیں اکیلا چھوڑتے اور تم۔۔۔ حسن انکل کی بیٹی کو چھوڑ کر خود وہاں کین میں سکون سے بیٹھے تھے۔ مجھے تم نے بہت مایوس کیا ہے۔ میں تمہیں بہتر سمجھتا تھا۔" سُبکتگین کی سنجیدہ آواز پر نثار حیدر کا دل ٹھہر گیا۔ وہ اس موضوع کے علاوہ لمبی تمہیدوں میں نہیں پڑتا تھا۔

"میرے دوست بُرے نہیں ہیں۔ اُنکی کوئی غلط نیت نہیں تھی وہ تو بس۔۔۔۔" حمزہ بستر سے اٹھ کر اُسکی جانب پلٹا مگر اُن برف کر دیتی نظروں پر باقی الفاظ مُنہ میں ہی رہ گئے۔

"اپنی بے غیرتی کو جسٹفائی مت کرنا، حمزہ۔" انداز صاف تنبیہ کرتا ہوا تھا۔

"آپ نے اُس گڈ فار نٹھنگ لڑکی کے لیے مجھے تھپڑ مارا اور۔۔۔ اور۔۔۔ اصل بات جو پھانس کی طرح اُسکے گلے میں اٹکی تھی اب بھی اٹک گئی۔

"شرم تمہیں ابھی بھی نہیں آرہی۔" اُس نے اتنے تاسف سے کہا کہ حمزہ بے یقینی سے اُسکا چہرہ دیکھنے لگا۔

"اس میں شرم والی بات کیا ہے۔ دوستوں کے درمیان اکیلا تو نہیں چھوڑ کر آیا۔ کون سا کھا جاتے۔۔۔" تیزی سے سُرخ ہوتے چہرے کے ساتھ کہتے حمزہ کو اُن نظروں کی کاٹ نے مفلوج کر دیا۔

"مت مجھ پر ثابت کرو کہ تم اپنے باپ کی اولاد ہو۔" اب کے لہجہ اتنا بے تاثر اور ٹھنڈا ٹھار تھا کہ باہر ساکت کھڑے نثار حیدر کی ہڈیاں تک چٹخنے لگیں۔ اُسکے دوسرے گال پر موجود زنجیر کے نشان کو بغور دیکھے کر مزید کچھ بھی کہے بغیر تیز قدموں سے پلٹا۔ حمزہ نے اُسے مایوس کر دیا تھا۔ دروازہ ایک جھٹکے سے کھول کر سامنے ساکت نثار حیدر کو دیکھ کر وہ ایک پل کو ٹھہرا اور پھر بے تاثر چہرے کے ساتھ اُنکے برابر سے ہو کر نکلتا چلا گیا۔ حمزہ بھی تو اسی حویلی کا فرد تھا تو پھر اُس نے کیسے سوچ لیا تھا کہ نثار حیدر اور ماہ پارہ کی اولاد مختلف ہوگی، اُس نے کیسے اُمید کر لی؟ پیچھے نثار حیدر کا وجود زلزلوں کی زد پر تھا۔

بوتیک میں کام کرتے ہوئے بے دھیانی سے اُس نے گلے میں پہنا ہوا سکارف نکال کر کاؤنٹر پر رکھا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ وہ کراچی جیسے علاقے میں رہنے کی وجہ سے حجاب ایسے لینے کی عادی تھی کہ جس سے گردن نمایاں ہو یوں گرمی نہیں لگتی تھی اور گلاسز پہننے پر کانوں کو تکلیف نہیں ہوتی۔ وہ اس وقت انہماک سے پھولوں کے ساتھ مُنہمک تھی کہ وِنڈ چائِم کی آواز بھی نہیں آئی۔

"اسلام و علیکم!" زارا کی آواز پر اُس نے چونک کر چہرہ اٹھایا اور پھر سُبکَتِگین کو دیکھ کر چونک گئی۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" اُسکو اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر گُلِ لیلیٰ نے اُسی سنجیدگی سے سوال کیا جو سنجیدگی سُبکَتِگین حیدر کے چہرے پر رقم تھی جبکہ زارا اُسکے جان پہچان کا سمجھتے ہوئے ریک میں گلدستے رکھنے لگ گئی۔

"کچھ دیکھنے آیا تھا۔" سُبکَتِگین کی نگاہ بے اختیار اُسکی گردن تک گئی اور اُسی تیزی سے لیلیٰ نے کاؤنٹر سے سکارف اٹھا کر گلے میں پہن لیا۔

"کیا؟" سوال بڑی بے پرواہی سے ہوا۔

"وہی جسے آپ نے چھپا لیا ہے۔" اُسکا ارادہ بات کو رفع دفع کرنے کا نہیں تھا۔ لیلیٰ نے کسی قدر نا سمجھی سے اُسکو دیکھا۔

"بے فکر رہیں آپ کے بھائی کو ایسا دیا ہے کہ چھپا بھی نہیں سکتا۔" اُسکا اشارہ یقیناً حمزہ کے چہرے پر پڑنے والے زنجیر اور زخم کے نشان کی جانب تھا اور نہ جانے کیوں، پتہ نہیں کیسے سُبکَتِگین کے چہرے

کو بے حد بھلی سی مسکراہٹ چھو گئی۔ لیلیٰ نے تیر سے اُس مسکراہٹ کو دیکھا جو کسی کو بھی فریفتہ کر سکتی تھی۔ اُس مسکراہٹ میں کوئی ایسی اپنائیت اور کشش تھی کہ اُسکا دل لرز گیا۔

"شاباش!" اُس کو نرمی سے کہہ کر اُس نے قمیض کی جیب سے کچھ نکال کر کاؤنٹر پر رکھا اور پھر پلٹ گیا۔ لیلیٰ نے ناسمجھی سے نیچے دیکھا اور پھر اُسکے ہاتھ میں موجود پھول بے ساختہ کاؤنٹر پر اُس زخم پر لگائی جانے والی دوائی کے پاس گر گئے۔ بادامی آنکھیں آہستگی سے اُٹھیں اور اُسکو دیکھنے لگیں جو شیشے کا دروازہ دھکیل کر باہر جا رہا تھا۔ فضا میں ونڈ چائم کا مدھر سا ساز گونجا اور پھر سُبکتنگین حیدر لمحہ بہ لمحہ اُن آنکھوں سے دُور ہوتا چلا گیا۔ گلِ لیلیٰ سانس روکے اُسکو تب تک دیکھتی رہی جب تک وہ اُسکی نظروں کی پُہنچ سے دُور نہیں ہو گیا۔ اُسکی آنکھوں کے پار فجر کی اذانوں کے وقت اُترنے والا خواب جھلملایا۔ اُس خواب میں کوئی شخص جھک کر اُسکے بالوں میں جامنی رنگ کے لیونڈر لگا رہا تھا۔ تب اُس نے تیز ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ چہرہ اُٹھا کر دیکھا تھا۔ پورے انہماک سے پھولوں کو مسکرا کر دیکھتی مدہم مسکراہٹ وہی تھی جو اُس نے کچھ لمحے پہلے رکتے دل کے ساتھ دیکھی تھی۔ وہ چہرہ وہی تھا جو ابھی ابھی اُسکی نگاہوں کی دَسترس سے دُور ہوا تھا۔ جیسے اُس پر ادراک کا دَر وا ہوا تھا ویسے ہی سُبکتنگین حیدر پر بھی تھا۔ گلِ لیلیٰ نہیں جانتی تھی کہ وہ شخص کوئی فیصلہ کر کے گیا ہے۔ ایسا فیصلہ جس سے گلِ لیلیٰ کا دل اندر تک زخمی ہو جائے گا، رُوح چھل جائے گی۔

✓خدا کرے کہ ہو تعبیر خواب کی اچھی

ملا ہوں رات میں پھولوں کے درمیاں تجھ سے۔۔۔

(تیور حسن تیور)

مغرب کی نماز پڑھ کر اُس نے بوتیک بند کی اور پھر زارا کے جاتے ہی باہر نکل آئی۔ ایک نظر کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھا اور پھر پیک بیگ کندھے پر لٹکائے تیز قدموں اپنے گھر کو جاتی گلی کی جانب مڑ گئی۔ اُسکا گھر بازاروں سے ہٹ کر آتا تھا۔ گھر زیادہ دُور نہیں بلکہ پندرہ منٹ کی واک پر تھا۔ ابھی وہ آگے بڑھی ہی تھی کہ برابر آرکتی جیپ کو دیکھا کر چونکی۔ یہ جیپ تو۔۔۔۔

"میں تمہیں گھر ڈراپ کر دیتا ہوں۔" شیشہ نیچے ہوتے ہی وہی چہرہ نظر آیا جو اُس نے دوپہر میں دیکھا تھا۔ وہی چہرہ جو خواب میں اُسکے بالوں میں محویت سے پھول لگا رہا تھا۔ سر جھٹک کر اُس نے خود کو سرزنش کی۔

"نہیں میں چلی جاؤں گی۔ بابا کو بُرا لگ جائے گا۔" آہستگی سے کہہ کر آگے بڑھی جبکہ سُبُتِ گنِ لب بھینچتے ہوئے جیپ سے اتر کر اُسکے سامنے آیا۔ لیلیٰ اگر بروقت رکتی نہیں تو تصادم یقینی تھا۔ گاڑی کی روشنیوں میں چونک کر اُس نے چہرہ اٹھایا اور پھر اُن سرد آنکھوں میں نا سمجھی سے دیکھا۔

"میں نے آپکو بتایا تھا نہ بابا کا۔ اُنکو بُرا۔۔۔۔" کچھ تھا اُس چہرے پر کہ اُسے وضاحت دینی پڑی۔ "بُرا لگتا بھی ہے تو کسے پرواہ ہے۔" اچانک لہجہ بدل کر اُس نے جو کہا اُس پر گُلِ لیلیٰ کو لگا جیسے اُسے سُننے میں غلطی ہوئی ہے۔

"جی!" اُسے جیسے واقعی سمجھ نہیں آیا۔

"گاڑی میں بیٹھو، گلِ لیلیٰ۔ میں کوئی بد تمیزی نہیں کرنا چاہتا۔" بہت تھل مگر سرد لہجے میں جیب کی جانب اشارہ کیا۔ کچھ تھا اُسکے انداز میں جو پہلے لیلیٰ کو کبھی محسوس نہیں ہوا۔ وہ اُسے پھر سے 'تم' کہہ کر پکار رہا تھا مگر یہ بات زیادہ تعجب والی نہیں تھی۔

"یہ۔۔۔۔۔ یہ کیسے بات کر رہے ہیں آپ؟" بے یقینی سے بامشکل نکل کر اُس نے لرزتی آواز میں کہا۔ لہجے کی لرزاہٹ خواب کے سبب سے تھی۔

"گلِ لیلیٰ!" اُسکی آواز قدرے بلند ہوئی، لہجہ تنبیہ بھرا ہوا اور لیلیٰ کا دل دھک سے رہ گیا۔ اُس انداز میں اُسے پہلے بھی ایک بار پکارا گیا تھا۔ اس لہجے میں کوئی اپنائیت نہیں تھی۔ اچانک سے ماحول میں کچھ غیر آرام دہ کرنے والا، دل گھائل کر دینے والا در آیا۔

"میں خود جاسکتی ہوں۔" بامشکل دل پر گزرتی کپکپاہٹ پر قابو پا کر کہتے ہوئے اُسکے برابر سے گزری اور آگے جو ہوا اُس کا گلِ لیلیٰ خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتی تھی۔ سُبکتگین حیدر نے اُسکے بازو کو تھام کر ایک جھٹکے سے اپنے مقابل کیا۔ وہ گرفت برف کی طرح سرد تھی۔ لیلیٰ کی آنکھوں کے آگے پل بھر کو اُس ناگہانی پر اندھیرا چھایا۔ بادامی آنکھوں نے خوف سے پھلتے ہوئے اُس چہرے کو دیکھا جس کے تاثرات نے گلِ لیلیٰ کے پورے وجود کو بیاہاں کر دیا۔ خواب کے اثرات نے اپنے سنہری پر سمیٹ لیے تھے۔

"میرا ضبط مت آزماؤ، گلِ لیلیٰ!" جبرے بھیج کر اُس نے اُن غزال جیسی خوف سے پھیلی آنکھوں میں دیکھ کر اُسکو اپنی جانب کھینچ لیا۔ وہ جو اس صدمے، اس حملے کے لیے تیار نہیں تھی ہونٹوں سے نکلتی چیخ پر قابو نہ رکھتے ہوئے اُسکے مزید قریب آ گئی۔

"ج۔۔۔ چھوڑیں مجھے" وہ گرفت سخت نہیں تھی مگر اُنکی ٹھنڈک اب گلِ لیلیٰ کی ہڈیوں میں گھس رہی تھی۔ ماؤف ہوتے ذہن کو سُبکتگین حیدر کے اچانک سے بدل جانے کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ گردن کی تکلیف سے زیادہ بازو کی تکلیف تھی۔

"چھوڑیں مجھے!" گہرے ہوتے اندھیرے میں آنکھوں سے پھسلتے آنسوؤں کے ساتھ گلِ لیلیٰ چیخ اُٹھی اور وہ چیخ سُبکتگین حیدر کے اعصاب کھینچ گئی۔ فیصلے میں دراڑ آنے لگی مگر پھر سر جھٹک کر اُس نے اُسکا بازو چھوڑا۔

"گاڑی میں بیٹھو!" لہجہ نرم اب بھی نہیں تھا۔

"مجھے کچھ ایسا کرنے پر مجبور مت کرو جس پر تکلیف تمہارے بابا کو ہو۔" اگلی بات رونگھٹے کھڑی کر دینے والی تھی۔ گلِ لیلیٰ کو لگا اُسکا سانس رُک گیا ہو۔ کل ہی تو اُس نے کوئی دُعا اللہ کے حضور بھیجی تھی۔ اُسے واقعی اپنی سماعت، اپنی بصارت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"آپ۔۔۔ آپ کو کیا ہوا ہے؟ آپ میرے ساتھ ایسے کیسے بات کر سکتے ہیں؟" بے یقین لفظ اُسکے ہونٹوں سے پھسلتے ہی سُبکتگین حیدر کی رُوح کو چھلنی کرنے لگے۔

"میں تمہیں اپنی اصلیت دکھا رہا ہوں، گلِ لیلیٰ۔" اُن سیاہ آنکھوں کے خالی پن پر گلِ لیلیٰ پر کپکپی طاری ہونے لگی۔

"آپ کو لگ رہا ہے کہ آپ مجھ سے اُس بد تمیز حمزہ کا بدلہ لیں گے اور میں آپ کی بات مان جاؤں گی تو یہ آپکی بھول ہے۔" چند قدم پیچھے ہو کر اُس نے سختی سے کہا۔ اُسی سختی سے جو اُسکا خاصہ تھی۔

سُبکتگین کچھ کہے بغیر اُسکی جانب بڑھا اور گلِ لیلیٰ کی تمام تر مزاحمت کو نظر انداز کرتے ہوئے اُسکو پیچھے کندھوں سے پکڑ کر گاڑی میں بٹھایا۔ ششدر رہ جاتی لیلیٰ دروازہ بند ہونے کی آواز پر ہوش میں آئی مگر تب تک سُبکتگین ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔

"میں تمہیں گھر چھوڑ رہا ہوں اسی لیے زور آزمائی مت کرو۔" اُسکو مسلسل دروازے کے ہینڈل پر جان مارتے دیکھ کر اُس نے آہستگی سے کہا جبکہ لیلیٰ نے کرنٹ کھا کر چہرہ اٹھایا۔

"آپ۔۔۔ مجھ سے تمیز اور تہذیب سے بھی کہہ سکتے تھے۔" اُسکی بے یقینی اور نا سمجھی کا کوئی انت نہیں تھا۔ اُسے ایسے رویے کی حمزہ سے اُمید نہیں تھی تو سُبکتگین سے کیسے۔۔۔۔۔ کچھ کہے بغیر گھر کے باہر جیپ روکتے ہوئے وہ گھوم کر اُسکی جانب آیا اور پھر دروازہ کھلا۔ سٹریٹ پولز کی روشنی میں سپید پڑتے چہرے والی لڑکی نے اُلجھ کر اپنے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہوتے شخص کو دیکھا۔

"ایم سوری!" مدہم آواز میں اُسکو خبردار کیا اور پھر اس سے پہلے کے سنبھلتی لیلیٰ کچھ کہتی ایک بار پھر اُسکو بازو سے تھام کر نیچے اتر کر گیٹ کی جانب لایا۔

"کیا کر رہے ہیں آپ؟ میرا بازو چھوڑیں۔" اگر خواب کی تعبیر یہ تھی تو بہت بھیانک تھی۔ سُبکتگین نے اُسکی مزاحمت اور دُہائیوں کو نظر انداز کر کے بیل بجاتے ہوئے لیلیٰ کو ٹھٹھکایا۔ دو منٹ بعد اندر سے آتے قدموں کی آہٹ پر اُسکو لگا سُبکتگین اُسکا بازو چھوڑ دے گا مگر سُبکتگین نے اُسکو اپنے برابر کرتے ہوئے اُسکو ششدر کر دیا۔

"چھ۔۔۔ چھوڑیں مجھے۔۔۔ آپ۔۔۔ بدتمی۔۔۔" ہکلاہٹ اور پھولتے ہاتھ پاؤں کے ساتھ اُسکے جملے بے ربط تھے۔ دوسرا آزاد ہاتھ اُسکا تب سے اتنا سُبکٹگین حیدر پر چل چکا تھا کہ وہ خود اپنا وہی بازو جھٹک جھٹک کر تھکنے لگی جس پر گرفت آہنی ہو کر بھی نرم تھی۔

"بابا آرہے ہیں۔۔۔ میں آپ کا حلیہ بگاڑ دوں گی، چھوڑیں مجھے۔" قریب تر ہوتے قدموں کی آہٹ پر مزاحمت ترک کے وہ غرائی۔ سُبکٹگین نے چہرہ پھیر کر اُن شعلے اُگلتی آنکھوں میں دیکھا جہاں صدمے اور بے یقینی نے اپنا بسیرا کر رکھا تھا۔ اُسے کیوں سُبکٹگین سے ایسے رویے کی اُمید نہیں تھی؟؟؟

"کون!" آج کل وہ کچھ احتیاط برت رہے تھے اُس دھڑکے کی وجہ سے جو اُنکو لاحق تھا۔ "سُبکٹگین!" اُن بادمی آنکھوں میں ٹھہر کر دیکھتے ہوئے اُس نے لیلیٰ کے پھر سے مزاحمت کرتے ہاتھوں کی حرکت روک دی۔ احمد صاحب نے مُسکرا کر دروازہ کھولا اور لیلیٰ اُسی تیزی سے سُبکٹگین کی پشت کے پیچھے ہوئی۔

"ارے بیٹا! میں تمہیں ہی یاد کر رہا تھا۔" اُنکی چمکتی آواز پر لیلیٰ کا دل ڈوب کر اُبھرا۔ اُس نے ایک نظر اپنے بازو کو دیکھا جو ابھی تک مضبوط گرفت میں تھا تبھی احمد صاحب کی نظر ہوا کے زور سے لہراتے دوپٹے سے ٹکرائی۔

"لیلیٰ!" اُنکو یہی لگا کہ وہ ابھی ابھی آئی ہے۔ سُبکتگین نے چہرہ پھیر کر اُن آنکھوں میں دیکھا جنہوں نے اتنی منت سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اُسے منع کیا تھا کہ زمین اور آسمان اُس مان اور آس پر گواہ بن گئے۔

"میں گلِ لیلیٰ کو ہی چھوڑنے آیا ہوں۔" اُسکا مان نہیں رکھا گیا۔ نفی میں ہلتے، خوف سے پھیلی آنکھوں کی استدعا بے دردی سے رد کر دی گئی۔ احمد صاحب نے چونک کر سُبکتگین کے چہرے کو دیکھا۔ اس سے قبل وہ کچھ مختلف سا محسوس کرتے سُبکتگین نے لیلیٰ کو نرمی سے اُنکے سامنے کر کے اُسکا بازو چھوڑ دیا۔ احمد حسن صاحب کی جھکتی نظر جھکی رہ گئی۔ نگاہ سُبکتگین حیدر کی مضبوط گرفت میں لرزتے گلِ لیلیٰ کے بازو پر ٹھہری رہ گئی۔

"میں آپ سے کچھ ضروری بات کرنے آیا ہوں۔" چہرہ جھکا کر مجسمے کی طرح کھڑی گلِ لیلیٰ نے تیزی سے چہرہ اٹھایا۔ کیا وہ حمزہ والی بات بتانے آیا ہے؟ کیا سُبکتگین اُس سے بدلہ لے رہا ہے؟؟ کیا واقعی اُسے حمزہ کے ساتھ اُسکا انداز اتنا بُرا لگا ہے کہ اُس نے گلِ لیلیٰ کو اتنا بُرا ایمو شنل شک دینے سے بھی گریز نہیں کیا۔

"میں نے آپ سے کیا کہا ہے جائیں یہاں سے اور دوبارہ ادھر کا رخ بھی مت کیجیے گا۔" وہ پچھلی بے یقینی سے نکل کر چمک کر بولی۔ سیاہ آنکھوں نے بغور اُسکو دیکھا جو سخت کبیدہ نظروں سے اُسے دیکھ کر اپنا باپ کا بازو پکڑے ہوئے تھی۔ اُسکے سخت لہجے پر احمد صاحب کا ماتھا ٹھنکا۔ چہرہ اٹھا کر انہوں نے سُبکتگین اور لیلیٰ کے چہروں کو دیکھا۔ ایک کے چہرے پر سنجیدگی اور پتھر جیسے تاثرات تھے جبکہ دوسرے چہرے پر کبیدگی، صدمہ، بے یقینی اور نہ جانے کیا کچھ۔

"اندر آ جاؤ، بیٹا۔" لیلیٰ کا بازو تھپک کر وہ نرمی سے بولے جبکہ لیلیٰ کے ہاتھوں کے طوطے کبوتر اڑ گئے۔

"بابا! میں نے آپ سے۔۔۔"

"ہمیں پہلے حسن انکل کو بتانا چاہیے، گل لیلیٰ۔" اُسکی بات قطع کر کے اُس نے نرمی سے کہا مگر لیلیٰ کو اُسکے لہجے نے ششدر کر دیا۔

"جو بھی بتانا ہے، اندر چلو پہلے۔" باہر بڑھتے اندھیرے پر اُنہوں نے سُبکتنگین کا بازو تھاما جبکہ لیلیٰ اُنکو چھوڑ کر تیز قدموں سے اندر کی جانب بڑھ گئی۔ احمد صاحب نے نا سمجھی سے پیچھے دیکھا اور پھر اندر آتے سُبکتنگین کو جو جھک کر دروازہ بند کر رہا تھا۔

"اگر اُنہوں نے حمزہ والی بات۔۔۔۔۔" کمرے میں ادھر سے ادھر اضطراری مارچ کرتے ہوئے اُسکا اضطراب ہر آن بڑھ رہا تھا۔ بے شک اُس نے ہلکے بھلکے لفظوں میں اُنکو حمزہ کے بارے میں آگاہ کیا تھا لیکن اگر سُبکتنگین حیدر نے پوری بات بتا دی؟؟؟ سُن ہوتے دماغ کے ساتھ وہ جیسے ہی جھک کر ڈریسنگ ٹیبل کے دراز سے کھانے کی کوئی چیز نکالنے لگی۔ اُسکی نگاہ اپنے عکس تک گئی۔ اُن بادامی آنکھوں میں ابھی تک بے یقینی اور سر سمیگی طاری تھی۔ باہر خاموشی محسوس کر کے اُسکا دل ڈوب کے اُبھرا۔ سب چھوڑ کر وہ تیز قدموں سے باہر نکلی مگر ہال خالی تھا۔ یقیناً سٹڈی میں ہوں گے۔ بے چینی سے ہاتھوں کو مسلتے ہوئے اُس نے سٹڈی کا دروازہ کھولا۔ صوفے پر بیٹھے سُبکتنگین اور احمد صاحب نظر تیزی سے اُس تک گئی۔

"لیلی! ادھر آؤ۔" وہ جو آب و ہوا میں سرد اور عجیب سی کیفیت محسوس کر کے پلٹنے لگی تھی، احمد صاحب کی پکار پر ٹھٹک کر پلٹی۔

"ج۔۔۔ جی بابا!" وہ لرزاہٹ احمد صاحب سے پوشیدہ نہیں رہ سکی۔ سُبُتِ گین اُسکو بغور دیکھے گیا جو آہستہ قدموں سے آکر اپنے باپ کے برابر نا سمجھی سے بیٹھ گئی تھی۔

"بابا! میں نے آپ کو حمزہ کا۔۔۔" وہ جو تیزی سے کہنے لگی تھی، اپنے باپ کی اندر تک اُترتی نظروں پر ٹھہری۔

"تم بھی یہی چاہتی ہو نہ؟" بظاہر وہ سوال پوچھ رہے تھے مگر لیلیٰ کو نہ جانے کیوں لگا وہ سوال نہیں تصدیق چاہ رہے ہوں۔ یوں جیسے اُنہوں نے کچھ پہلے سے اخذ کر لیا ہو۔

"ظاہر ہے بابا، میں کیسے۔۔۔" اُسکے جواب کے مکمل ہونے سے قبل احمد صاحب نے سنجیدگی سے چہرہ پھیرتے ہوئے لیلیٰ کے دل میں خطرے کا الارم بجا دیا۔

"ٹھیک ہے! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں کروا دیتا ہوں۔" احمد صاحب سنجیدگی سے کہہ کر اُٹھے، سُبُتِ گین بھی اُنکے جواب پر اُٹھا مگر لیلیٰ یو نہی ساکن، نا سمجھی سے بیٹھی رہ گئی۔

"کیا۔۔۔ کروا دیں گے، بابا۔۔۔؟" اُس نے سوال اتنی آہستگی سے کیا کہ سیاہ خاموش آنکھیں تیزی سے اُس تک گئیں۔ احمد صاحب نے چہرہ نہیں پھیرا۔

"تمہارا نکاح!" سُبکتگین کے چہرے کو بغور دیکھتے اُنہوں نے دل پر کڑا پتھر رکھ کر کہا۔ لیلیٰ نے کرنٹ کھا کر سُبکتگین حیدر کو دیکھا جو اُسے ہی فرصت سے دیکھ رہا تھا۔ بادامی آنکھوں میں طیش کے شعلے اُبلنے لگے۔ وہ سب جانتے ہوئے بھی حمزہ اور اُسکا نکاح کروانے کے لیئے آیا تھا۔۔۔۔۔

"کیا بات کی ہے آپ نے بابا سے؟" ایک جھٹکے سے کھڑی ہو کر وہ اُسکے مقابل آئی۔

"نکاح کی بات کی ہے۔" احمد صاحب کے بیان پر مہر لگائی گئی۔

"آپ۔۔۔ آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے، ہے نہ۔" اُسکو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیسے ریکٹ کرے۔

"لیلیٰ! تمیز سے۔" احمد صاحب نے اِس قدر اُونچا کہا کہ لیلیٰ کا پورا وجود لرز اُٹھا اور وہ لرزاہٹ سُبکتگین کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہی مگر اُس نے نگاہیں پھیر لیں۔ ابھی آگے بہت سے امتحان اُسکا امتحان لینے والے تھے۔

"دیکھا انکل! یہ جانتی ہے کہ میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" وہ جیسے لیلیٰ کی خُون خوار نظروں سے محضوظ ہوا۔ احمد صاحب نے اُسکے چہرے کی مسکراہٹ کو دیکھا۔ کچھ تھا جو اُن آنکھوں اور اُس چہرے پر نہیں ہونا چاہیے تھا۔

"اگر آپ نے بابا کو بتایا ہوا نہ تو میں آپ کا سر پھاڑ دوں گی۔" اپنے باپ کی اُن نظروں نے اُسکا وجود ہلا کر رکھ دیا تھا تبھی اُس نے دانت پیس کر اُسکو باور کروایا۔ سیاہ آنکھوں کی بُجھتی جوت اُس مار مٹتے انداز پر بڑھک کر روشن ہو گئیں۔ یہ انداز دل لُبھانے والا تھا۔

"گلِ لیلیٰ!" احمد صاحب کا لہجہ اتنا سخت ہوا کہ سب بھول کر لیلیٰ نے ایک جھٹکے سے چہرہ پھیر کر اُنکو دیکھا جو تاسف سے اُسکی جانب متوجہ تھے۔

"معذرت، بابا مگر یہ میرا خون کھولا رہے ہیں۔" سب بھول کر وہ اپنے بابا کی جانب پوری جان سے بڑھی اور پھر نرمی سے اُنکے ہاتھ تھامے۔ اگلا لمحہ گلِ لیلیٰ کے لیے قیامت تھا۔ احمد صاحب نے ایک جھٹکے سے اپنے دونوں ہاتھ لیلیٰ کی نرم گرفت سے نکال لیے۔ خالی رہ جاتے اپنے ہاتھوں کو خالی ہوتے وجود اور ششدر آنکھوں سے دیکھا۔

"با۔۔۔۔با!" سُبکتنین نے اُس کا نپتے لہجے پر نظروں کا زاویہ پھیرا اور پھر باہر کو کھلی کھڑکی کے پاس کھڑے ہوئے کر باہر گہری ہو چکی رات کو دیکھنے لگا۔

"با۔۔۔با" اُس نے بے دم ہوتے ہاتھ اُنکی جانب پھر سے بڑھائے اور احمد صاحب نے پھر سے اُسکے ہاتھ پیچھے کر دیئے۔ گلِ لیلیٰ کی آنکھوں کی سطح تیزی سے بھگنے لگی۔ یہ سُبکی کا احساس نہیں کچھ اور تھا۔ وہ اُسکا ہاتھ سخت سے سخت لڑائی اور ناراضگی میں بھی نہیں جھٹکتے تھے۔ یہ اُن دونوں باپ بیٹی کا اصول تھا۔ ہاتھ جھٹکنے کا مطلب، تعلق جھٹک دینا قرار پایا تھا۔ دوسری بار کسی نے اُسکے ہاتھ جھٹکے تھے اور دونوں بار دل میں اُٹھتی قیامت کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ اُسکی زندگی میں موجود دو محبوب مردوں نے اُسکے ہاتھ جھٹک دیئے تھے یہ جانتے ہوئے بھی کہ گلِ لیلیٰ کے لیے وہ بات کیا معنی رکھتی ہے۔

"ک۔۔۔ کیا ہوا۔۔۔ ہے، بابا!" پہلے مرد کی جھٹک نے بے یقینی اور اُسکی کم عمری کے سبب قوت گویائی سلب کی تھی مگر یہاں نہیں۔ اُس مرد کو اُس نے جانے دیا تھا، اس مرد کو جانے نہیں دیا جا

سکتا۔ کھڑکی کے دستے پر سرد و سفید پڑتے ہاتھ رکھتے سُبکتنِ حیدر کے گلے میں گلی اُبھر کر معدوم ہوئی۔ وہ لیلیٰ کے لیے ہاتھوں کو جھٹک دینے کی حساسیت کو جانتا تھا۔

"تمہاری خواہش سُبکتنِ سے نکاح کی تھی تو تم۔۔۔ مجھے خود بتا سکتی تھی۔" اُن شفقت اور مہربانی سے بے بہرہ ہوتی آنکھوں کو دیکھتی گلِ لیلیٰ کو لگا کسی نے راکا پوشی کی بلندی سے اُسے نیچے دھکا دے دیا۔ بلندی سے نیچے گرتی گلِ لیلیٰ کا سانس تھم گی، دل کی دھڑکن رُک گئی، دل میں مُوجزن ہوتے، پوشیدہ جذبے بصارت کھو بیٹھے۔ چہرہ پھیر کر اُس نے کانپ اُٹھتے وجود کے ساتھ اُس شخص کو دیکھا جو چہرہ اُٹھائے اندھیری رات میں نہ جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔ آج رات تو چاند اور ستارے بھی نہیں تھے پھر سیاہ نظریں کس چیز کی تلاش میں تھیں؟ تلاش میں یا پھر فرار میں؟؟ سُن ہوتے دماغ نے سڈی سے اندر آنے سے لے کر اب تک کی بے ربط گفتگو کو از سر نو جانچا اور گلِ لیلیٰ کی دھڑکنوں نے وہیں دم توڑ دیا۔

✓ چاہتوں کی باتوں کے دائمی حوالوں سے

دیکھ لو نکل آئے

جان! ہم تیری خاطر

ہم تو اب نصیبوں کا بھی گلہ نہیں کرتے

شاعروں کے بختوں میں رونقیں نہیں ہوتیں

یہ عجیب ہوتے ہیں

جنگلوں، پہاڑوں میں اک نگر بساتے ہیں

خواب کے سہارے پر

شہر میں تو رہتے ہیں

بس مگر نہیں پاتے

ہم بھی ٹھیک ویسے تھے

شاعروں کے جیسے تھے

شہر کاٹ کھاتا تھا، بے کلی ستاتی تھی

جان! تیری باتوں نے کس طرح بدل ڈالا

درد بھی نہیں لکھتے

آہ بھی نہیں بھرتے

اور بیتی چاہت کو یاد بھی نہیں کرتے

جان! ہم تیری خاطر

اب تو مانگتے ہیں بس

ان تمام چیزوں کو، ہر طرح کی خوشیوں کو

جو کبھی نہ مانگی تھیں

اب خدا سے کہتے ہیں

اے خُدا ئے بحر و بر!
آپ کو کی کیا ہے؟
آپ تو وہ سب کچھ دیں
جس کی خواہشیں نہ تھیں
جان! اب تیری خاطر
ہم خُدا سے مانگ آئے
جو کبھی نہ مانگا تھا
جو کبھی نہ پایا تھا
اور اِس سے زیادہ اب کچھ بھی کر نہیں سکتے
زور بھی نہیں چلتا
بس چلا نہیں سکتے
جان! اب اگر اپنا حال نہ بدل پایا
بخت سے سیاہی کے ابر چھٹ نہیں پائے
پھر خُدا کی مرضی ہے
اُس سے اب گلہ کیسا
اُس سے لڑ نہیں سکتے

وہ بہت بڑا ہے ناں
ہم بہت ہی چھوٹے ہیں
کچھ بھی تو نہیں ہیں ہم
صبر کرتے آئے ہیں، صبر ہی کریں گے ہم
تُو تو جانتا ہی ہے
خود کو ہیں بدل لائے
جان! ہم تیری خاطر
اب بھی کچھ شکایت ہو
اب بھی تُو خفا ہو تو
اب بھی کچھ گلہ ہو تو
جان! تیری مرضی ہے۔۔۔
(زین شکیل)

جباری ہے!

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔۔۔

السلام علیکم احباب۔۔۔۔

”ناولز کی دنیا“ کے ناولز میں خوش آمدید۔۔۔۔

ناولز کی دنیا (NKD) کی جانب سے ناولز کو بغیر کسی غلطی کے آپ تک پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ اگر کوئی غلطی اس میں ملتی ہے تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ کیونکہ ناول کو پورا پروف ریڈ کر کے ہی پبلش کیا جاتا ہے چوک ہونا محض اتفاق ہوگا۔۔

نئے اور مختلف لکھنے والوں کے لیے ”ناولز کی دنیا“ ویب سائٹ / گروپ / پیج / یوٹیوب چینل دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خداداد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں۔۔۔ اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں۔۔۔ ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے۔۔۔

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہو سکا آپ کی تحریر پوسٹ ہو جائے گی۔۔۔

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔۔

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- [Novels ki duniya](https://www.facebook.com/Novels_ki_duniya)

(user name [@zovatalib77](https://www.facebook.com/@zovatalib77))

Facebook group :- [Novels ki duniya](https://www.facebook.com/Novels_ki_duniya)

Instagram Page:- [Nkd \(ZT\)](https://www.instagram.com/Nkd_ZT) (UserName: [Novelskiduniya77](https://www.instagram.com/Novelskiduniya77))

[Youtube Channel: Novels Ki Dunya \(NKD\) Official](https://www.youtube.com/channel/UCNovels_Ki_Dunya)

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو) اور باقی کے رابطے کے لیے ہر پیج کے نیچے Blue الفاظ میں لکھے لفظ میں آپکو لنکس مل جائے گے شکریہ۔۔۔۔